گرین سیریز------------از------------ابنِ طالب

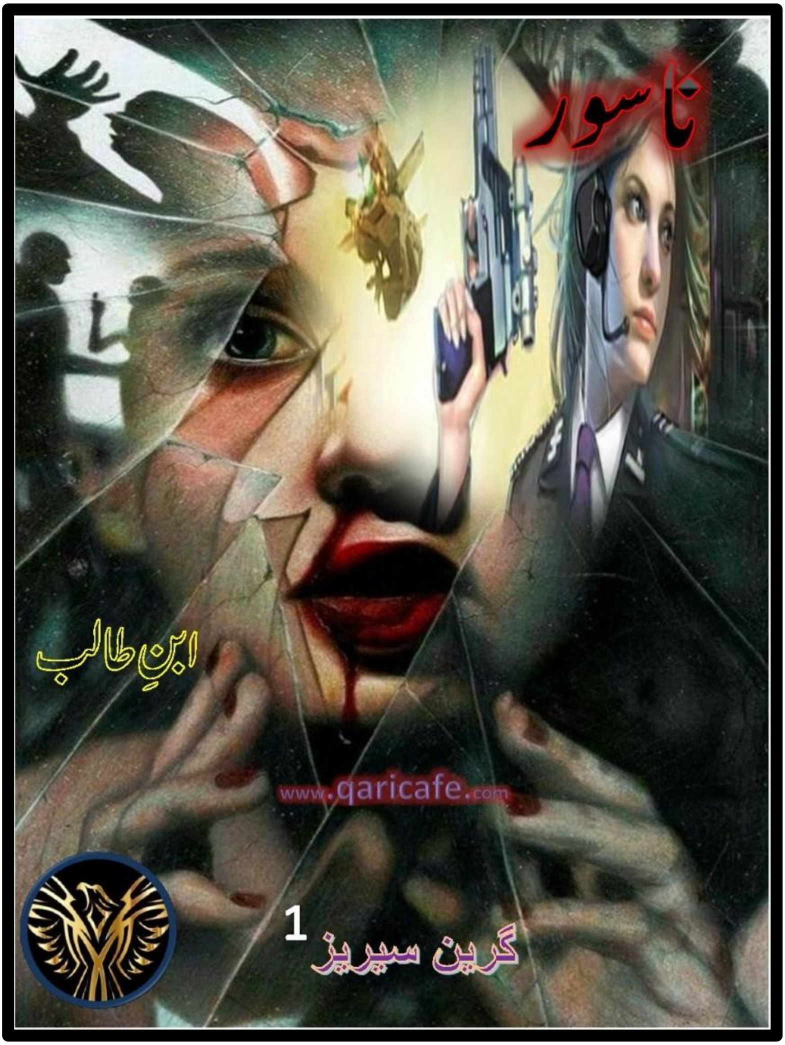
ناسور
ابنِ طالب
www.qaricafe.com
1
گرین سیریز

گرین سیریز

ناول#1 یکم نومبر 2018

ناسور

ناول کے تمام کردار، مقامات، واقعات فرضی ہیں اور مصنف کی اپنی تخلیق ہیں۔ جن میں کسی بھی قسم کی کلی یا جزوی مطابقت محض اتفاقیہ امر ہو گا جس کا مصنف ذمہ دار نہیں۔

ناول کے کسی بھی حصے کو کاپی کرنا، نقل کرنا یا چوری کرنا قانوناً اور اخلاقی جرم ہے۔ جملہ حقوق بحقِ مصنف محفوظ ہیں۔

یہ ناول "ناسور زدہ" کے نام سے نئے افق فروری، مارچ 2020 میں چھپ چکا ہے۔

ہماری بات

السلام علیکم

ناول یا کہانی پڑھتے ہوئے مجھے اس بات کا کبھی ادراک نہیں ہوا کہ ناول لکھنے میں کس قدر عرق ریزی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ بہت سے حضرات کی طرح میں نے بھی بچپن سے ہی چوری چھپے کہانیاں پڑھنا شروع کیا۔ اس وقت جیب خرچ جمع کر کے دو، تین اور زیادہ سے زیادہ پانچ روپے کی کہانی خرید کر پڑھا کرتا تھا۔ کہانیاں پڑھنے کے اس جنون میں گھر سے جو خاطر مدارت ہوتی تھی میرے خیال سے وہ کہانیوں کے شوقین حضرات جانتے ہی ہوں گے۔

قصہ مختصر یہ کہ کہانی سے ناول تک کا سفر جلدی ہی مکمل ہوا اور مڈل کلاسز سے ہی میں عمران سیریز میں گم ہو گیا۔ یہ سچ ہے کہ عمران سیریز کا ایک اپنا ہی جادو ہے، مرحوم ابنِ صفی اور مرحوم مظہر کلیم صاحب نے بہت ہی محنت سے جاسوسی ادب کے ذریعے نوجوان نسل کی تفریح، تربیت اور علم میں اضافہ کرنے کی کامیاب کوشش کی۔ ابنِ

صفی نے جس دور میں عمران سیریز اور جاسوسی دنیا نامی سلسلے کی بنیاد ڈالی وہ ایک الگ تابناک کہانی ہے۔ میرا سلام ان دونوں شخصیات کو اور میری دل کی اتھاہ گہرائیوں سے دعا ہے کہ اللہ انہیں اپنی رحمت کے سائے میں رکھے۔

ہمارے معاشرے کا یہ المیہ ہے کہ یہاں نئے لکھاری کو اہمیت ملنا بہت مشکل بلکہ ناممکن سا ہے۔ پبلشر نہ ملنے کے پیچھے ایک سبب یہ بھی ہے کہ آج آن لائن ویب سائیٹ والے حضرات، نئ کتاب مارکیٹ میں آتے ہی مینڈک کی طرح اچھل کر میدان میں پہنچ جاتے ہیں اور چند لمحوں میں لکھاری، پبلشر وغیرہ کی محنت اور سرمائے کو اپنی ویب سائیٹ پہ سکین کر کہ چڑھا دیتے ہیں جس سے لکھاری اور پبلشر کا بہت زیادہ نقصان ہوتا ہے۔

سلام اور شکریہ ان پبلشر حضرات کا جنہوں نے اپنا قیمتی وقت اور مشورے دیئے، تمام احباب کے لئے جنہوں نے حوصلہ افزائی کی، ان تمام دوستوں کے لئے، جنہوں نے ہر قدم مجھے سراہا اور میں آج ایک کاوش آپ کی خدمت میں پیش کرنے کے قابل ہو سکا۔ اس شخصیت کے لئے سلام اور شکریہ جس کی بھرپور مدد سے میں اپنی تحریر کو نکھار

سکا، جس نے پروف ریڈنگ سے لے کر کہانی کے اختتام تک ہر نہج پہ بھرپور ساتھ دیا۔ اور سب سے بڑھ کر سلام اس شخصیت کو جس نے مجھے، مجھ سے روشناس کروایا۔

اگر آپ کو تحریر پسند آئے تو فیڈبیک دینا مت بھولئے گا۔

والسلام

ابنِ طالب

FB.Group

www.facebook.com/groups/GreenSeries

اس ناول کے حوالے جو اس وقت جو پیغامات وصول ہوئے، ان میں سے چند ایک (شروعات میں ناول اقساط میں اپلوڈ ہوتے رہے ہیں)۔

آزاد کشمیر سے سید علی مجتبیٰ لکھتے ہیں کہ ناسور کی پہلی قسط بہت عمدہ تھی۔ مزاح کہانی کا ایک اہم جزو ہے جس کی کمی محسوس ہوئی۔ دو طرفہ کہانی مظہر کلیم صاحب کا اندازِ تحریر

ہے۔ مظہر کلیم صاحب بہت اچھا لکھتے تھے، میرا مشورہ ہے کہ آپ ابنِ صفی صاحب کو بھی ضرور پڑھیں۔ عام طور پہ ایک طرفہ کہانی زیادہ اچھی لگتی ہے مگر آپ کا ایکشن تھرلر پڑھ کر مزہ آیا۔ اگلی اقساط کا شدت سے انتظار ہے۔ افسوس ہے کہ اتنا اچھا ناول کتابی صورت میں نہ چھاپا گیا۔

مہدی شاہ۔۔ پھالیہ۔۔ ناسور، میں دوبار پڑھ چکا ہوں، بیک وقت ادب، تفریح، سسپنس، ایڈونچر اور معاشرتی ناسور کی جراحت۔۔۔ میں بس اتنا ہی کہوں گا کہ ہمارے درمیان پھر سے ایک منٹو، مظہر کلیم کا لبادہ پہن کر جنم لے رہا ہے۔۔ اور بے شک یہ ابنِ طالب ہی ہے۔

زوہیب ملک۔۔ بھیرہ۔۔ بہت عمدگی سے منظر نگاری۔۔ ایک بار پھر سے مظہر کلیم کی عمران سیریز کا ذائقہ محسوس ہوا۔ اگلی قسط کا انتظار ہے۔

انجینئیر سمیع۔۔۔ ڈیرہ غازی خان۔۔۔ بہت عمدہ کاوش ہے۔ بہت دلچسپ اور خوبصورت پیرائے میں معاشرتی مسائل کی عکاسی کی گئی ہے۔ تفریح، سسپنس اور خوبصورت منظر نگاری نے تحریر کو چار چاند لگا دیئے ہیں۔ اندازِ بیاں بہت دلچسپ اور اچھوتا ہے۔ مجموعی طور پر یہ ناول قاری کی دلچسپی سے متعلق کئی جہتیں اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ اللہ آپ کے زورِ قلم میں مزید اضافہ فرمائے۔ آمین

فوزان گوندل۔۔۔ آسٹریلیا۔۔ ناسور کی پہلی قسط پڑھی، یوں لگا جیسے مظہر کلیم مرحوم کے جانے سے جاسوسی کی صنف میں پیدا ہونے والا خلا پُر ہو گیا۔ ساحر، جبران اور کبیر کے کردار مضبوطی سے باندھے گئے ہیں۔ ساحر کی معصومانہ حماقتیں علی عمران کی یاد تازہ کرتی ہیں۔ ساحر کا جبران سے مکالمہ اور ایکشن بہت مزیدار لگا۔ آنے والے ناولوں میں شاید مزید دلچسپ کردار متعارت کرائے جائیں گے۔ اگلے مرحلے میں ساحر اور اس کے ساتھیوں کو اس ناسور کو جڑ سے اکھاڑنے کے لئے کیا کچھ پاپڑ بیلنے پڑیں گے وہ جاننے کے لئے اگلی قسط کا انتظار رہے گا۔

اسد عبدالعزیز۔۔ مونگ۔۔ پہلے صفحات ہی ناول نگار کی مہارت کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ ایکسپریشنز اور کہانی کی روح کمال اور جاندار ہے۔ دوسری قسط کا انتظار ہے جبکہ پہلی قسط پر نظریں ابھی جامد ہیں۔

ایمان فاطمہ۔۔ ملتان۔۔ ناول بہت اچھا تھا، پڑھ کر مزہ آیا۔ کہانی اور اس کے کردار، زبان کا استعمال بہت ہی اچھا تھا۔ ساحر کا کردار بہت پسند آیا ہے۔ ایکشن تھوڑا اور ہونا چاہئے تھا۔ اگلی قسط میں ایکشن اور مزید سسپنس پیدا کرنے کی کوشش کیجئے گا۔ امید کرتی ہوں کہ اگلی قسط میں زیادہ ہنسنے کا موقع بھی ملے گا۔ اگلی قسط کے لئے نیک تمنائیں۔۔ اور قسط کا بے صبری سے انتظار ہے۔

وقاص احمد ایڈووکیٹ۔۔۔ اسلام آباد۔ اگرچہ یہ آپ کا پہلا ناول ہے مگر اردو زبان کا استعمال بہت اچھا ہے جس سے اردو کے ذخیرہِ الفاظ میں اضافہ ہوتا ہے۔ ناول کا سسپنس اور منظر نگاری بہت اچھی ہے۔ میں نے عمران سیریز تو نہیں پڑھی مگر مجھے یہ ناول بہت پسند

آیا ہے۔ میں قارئین کو یہ ناول پڑھنے کی دعوت دوں گا کیونکہ اس میں سسپنس، ایڈونچر، ایکشن اور کامیڈی ایک ساتھ موجود ہیں۔ ان کمنٹس کے علاوہ میری تجویز ہے کہ ساحر اور اس کی ٹیم کے ممبرز کے کردار مزید مضبوط ہونے چاہیئے۔

محمد قاسم۔۔۔ بوسال۔۔ کہانی کا ٹائٹل بہت ہی عمدہ ہے۔ ایسا ناول ہمارے معاشرے کی عکاسی کرتا ہے۔ ہمارے اس معاشرے میں بہت بڑے بڑے مگرمچھ ہیں جو ایک طرح سے ناسور کی طرح ملک کو کھائے جا رہے ہیں۔ ساحر، کبیر اور جبران۔۔ جیسے لوگ ہمارے محافظوں کا عکس ہیں جن میں ہمارے تمام ادارے اور فورسز شامل ہیں، جو کہ ملک میں موجود ناسور کو ختم کرنے کے لئے دن رات اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرتے ہیں۔ ایسی ہی کوششیں رنگ لائیں گی۔ اگر آپ اسی طرح محنت سے کام کریں گے تو انشااللہ ایک دن آپ کو آپکی منزل ملے گی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس سے بھی زیادہ اچھا لکھنے کی توفیق دے۔ آمین۔

سید فہد حسینی صاحب۔۔۔

مجھے ابن صفی صاحب کی جاسوسی دنیا فریدی حمید سیریز و عمران سیریز پسند ہے۔۔۔۔ تھوڑا بہت پڑھا ہے آپکی سیریز کو، سب سے پہلے تو مبارکباد قبول کیجیے کہ اپنی الگ سیریز ”گرین سیریز“ بنائی آپ نے۔ آپ اچھا لکھ رہے ہیں۔ ابن صفی صاحب جیسے انداز میں ہو تو مزید اچھا لگے۔ یعنی لکھنے کا انداز۔ ان جیسا تو کوئی نہیں لکھ سکتا، البتہ ان جیسے انداز سے جس نے لکھا وہ کامیاب بھی ہوا، جیسے میجر پرمود کے خالق عظیم مصنف ایچ اقبال صاحب، عظیم مصنف ایم اے راحت صاحب، عظیم مصنف مشتاق احمد قریشی صاحب، عظیم مصنف

اظہر کلیم صاحب، عظیم مصنف ابن کلیم صاحب وغیرہ ہیں۔ اللہ کامیابی عطا فرمائے آپ کو۔۔ آپ بہت اچھا لکھ رہے ہیں۔ ہماری دعا آپ کے ساتھ ہے۔

بنتِ اشرف۔۔ منڈی بہاؤالدین۔۔

ناول بہت اچھا اور دلچسپ ہے مگر اس میں حقیقت کا رنگ کم ہے کیوں کہ اگر ساحر اور اس کی ٹیم ممبرز اتنے ہی ذہین ہیں کہ جو وہ پلان وہ کرتے ہیں اس میں کامیاب ہو جاتے ہیں اور کوئی رکاوٹ بھی ان کے رستے میں ٹک نہیں پاتی تو اب تک سارے ناسور ختم ہو جانے چاہئیں تھیں۔۔ اس ٹیم کو بھی کہیں کہیں مشکلات کا سامنا ہونا چاہیے۔۔ تیسری قسط میں کبیر اور جبران جب ابلتے تیل پہ گرتے ہیں تو ان کے جسم جھلستے کیوں نہیں؟ وہ صرف زخمی ہوتے ہیں اور بچ بھی جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ تیسری قسط میں راجو کو پہلے مار دیا گیا جبکہ وہ گولڈن کلب کے اکبر سے زیادہ گولڈ مین کے قریب تھا۔ اکبر کو پہلے مرنا چاہیے تھا اور ساحر اور اس کی ٹیم کو راجو کے ذریعے گولڈ مین تک پہنچنا چاہئے تھا۔

وسیم منیر اعوان۔۔ پنڈ یگھیب۔۔۔ پہلی دونوں اقساط زبردست ہیں۔ سسپنس کی کمی ہے مگر ایکشن تو کمال کا ہے، اگلی قسط کا شدت سے انتظار ہے۔

حافظ توقیر۔۔

ناول کی تیسری قسط شروع کرتے ہی مزہ آ گیا۔۔ پھر آہستہ آہستہ تجسس میں اضافہ ہوتا گیا۔ ناول پڑھ کر ہمت بڑھی کہ برائی کے خلاف ہر حال میں کھڑا ہونا چاہئے۔

یہ شہر کا سب سے بڑا پولیس اسٹیشن تھا شاید اسی وجہ سے یہاں کا ماحول دیکھنے میں الگ تھا۔ ایک نظر میں لگتا تھا کہ یہ کسی بین الاقوامی کمپنی کا دفتر ہے۔ ہر کام میں نظم و ضبط تھا۔ ہر میز کو ایک خوبصورت کیبن اپنے احاطے میں لیے ہوئے تھا۔ اہلکار ایک دوسرے سے بڑے مہذب انداز میں گفتگو کر رہے تھے۔ مجموعی طور پر ایک پر سکون جگہ کا گمان ہوتا تھا۔ ملزموں کو لانے اور لے جانے کے کام کے لئے عقبی طرف الگ دروازہ رکھا گیا تھا۔ وہاں کی سہولیات دیکھ کر تو ایک بار دل میں خواہش پیدا ہوتی تھی کہ بندہ وہاں ہی ڈیرہ لگا لے لیکن پھر پولیس کے اندازِ مہمان نوازی یاد آنے پہ بندہ توبہ کرتا تھا۔ شکایات لے کر آنے والے لوگوں کے لیے باقاعدہ ویٹنگ ایریا بنایا گیا تھا جہاں اس وقت کافی بھیڑ لگی تھی۔ باری باری لوگ اندر جا کر اپنی شکایت درج

کروا رہے تھے۔ کمرے کے کونے میں ایک بوڑھا شخص چھڑی کے سہارے بیٹھا، بے چینی سے اپنی باری کا انتظار کر رہا تھا۔ اس کا لباس اور انداز، سادگی اور غریبی کے اثرات کا حامل تھا۔ وہ بار بار سیٹ پہ پہلو بدل رہا تھا۔ کافی دیر کے بعد اس کی باری آئی تو وہ چھڑی کے سہارے اُٹھا اور آہستہ آہستہ دفتر اندراجِ شکایات کی طرف بڑھا۔ اس کے دفتر میں داخل ہوتے ہی شکایات درج کرنے والے افسر نے رجسٹر سے سر اُٹھایا اور اس بزرگ کی طرف گھور کر دیکھا۔

"چچا آپ پھر آ گئے۔۔" اس افسر نے لہجے کو نرم بناتے ہوئے کہا۔

"ب۔ بیٹا تم ہی بتاؤ اور کہاں جاؤں؟" بزرگ نے رو دینے والے لہجے میں پوچھا۔

"دیکھیں چچا۔۔ میں نے آپ کو کتنی بار بتایا ہے کے آپ کی عمر اب تھانوں اور کورٹ کچہریوں کے چکر لگانے والی نہیں۔ آپ اپنا مسئلہ آپس میں ہی حل کر لیں تو بہتر ہے۔" افسر نے ہمدردی سے کہا۔

"اب کیا مسئلہ حل کریں۔۔ مسئلہ رہا ہی نہیں تو۔۔" بزرگ اتنا کہہ کر رو پڑے۔

"کیا مطلب آپ کا۔۔" افسر نے حیران ہوتے ہوئے پوچھا۔

"میری بیٹی کہیں نہیں مل رہی۔ وہ کل سے غائب ہے۔" بزرگ کی آنکھوں سے لگاتار آنسو بہہ رہے تھے۔

"اوہ۔۔ کہاں سے لاپتہ ہوئی؟" افسر نے پوچھا۔

"اپنے گھر میں ہی تھی۔ اس کی ماں اور میں، ساتھ والی گلی میں ایک فوتگی پہ گئے تھے۔ واپس آئے تو وہ گھر پہ نہیں تھی۔ ہم نے آس پاس کے لوگوں سے پوچھا

لیکن کسی کو کچھ پتا نہیں۔" بزرگ نے ہچکیاں لیتے ہوئے کہا۔

"آپ کو کس پہ شک ہے؟" افسر نے قلم سنبھالتے ہوئے پوچھا۔

"شک تو مجھے انہی کمینوں پہ ہے جن کا آپ کو پتہ ہے۔" بزرگ نے کہا۔

"دیکھیں میں آپ کو ٹھیس نہیں پہنچانا چاہتا لیکن اگر کوئی زبردستی اغوا کرتا تو شور شرابہ تو ضرور ہوتا۔۔ امید ہے آپ میری بات سمجھ رہے ہیں۔" افسر نے سنجیدگی سے کہا۔

"جناب میری بیٹی ایسی نہیں ہے۔ وہ میری اور اپنی ماں کی اجازت کے بغیر کچھ بھی نہیں کرتی۔" بزرگ نے کہا۔

"معافی چاہتا ہوں لیکن ۔۔ ہم ہر پہلو سے تفتیش کریں گے۔ آپ مجھے ان کے نام لکھوا دیں جن پہ آپ کو شک ہے۔" افسر نے نرمی سے کہا۔ بزرگ نے افسر کی طرف سے پوچھے گئے تمام سوالوں کے جواب دیئے اور افسر کی تسلی بھری باتوں کے ساتھ وہاں سے رخصت ہو گیا۔ پولیس اسٹیشن سے نکل کر وہ سڑک کی طرف بڑھا۔ اور پیدل ہی ایک سمت کو چل پڑا۔ کافی دیر چلنے کے بعد وہ ایک جگہ سائے میں سستانے بیٹھ گیا۔ اس کا سانس پھول چکا تھا۔ اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر رقم نکالی تو بیس روپے نکلے۔ اس شہر میں سواری پہ سفر کرنے کے لئے بیس روپے بہت کم تھے۔ تھوڑی دیر سستانے کے بعد دوبارہ اُٹھ کر وہ پیدل ہی چل پڑا۔ اُس نے کسی سے لفٹ لینے کی کوشش نہ کی اور آہستہ آہستہ چلتا گیا۔ ایسے ہی وہ تھوڑی دیر چلتا، پھر رک کے سانس لیتا اور پھر چل پڑتا۔ دوپہر تک وہ گھر پہنچ چکا تھا۔ شہر کی ترقی کے حوالے سے دیکھا جاتا تو وہ ایک جھونپڑے میں ہی رہ رہا تھا کیونکہ شہر کی بڑی عمارات کے مقابلے میں اس کا گھر کچھ بھی نہیں تھا۔ اس کی بیوی اس سے بھی زیادہ کمزور نظر آتی تھی۔ وہ چھوٹے سے کمرے میں چارپائی پہ پڑی چھت کو گھور رہی تھی۔ اس کی آنکھیں بتاتی تھیں کہ وہ بہت دیر سے رو رہی

تھی اور اب جیسے آنکھیں خشک ہو گئی ہوں۔ اس نے بے جان انداز سے اپنے شوہر کو استفہامیہ نظروں سے دیکھا۔

"رپورٹ کروادی ہے۔ منشی صاحب نے کہا ہے کہ وہ خود اس معاملے میں تحقیق کریں گے

اور ہماری بیٹی کو واپس لائیں گے۔" بوڑھے نے اپنے لہجے کو مضبوط بنانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"کیا فائدہ جھوٹے دلاسوں کا۔۔ ہمارا بیٹا ہی ہمیں چھوڑ گیا۔۔ اس نے ہماری خبر نہیں لی۔۔ پرائے کیا کرلیں گے۔" بوڑھی نے چھت کو گھورتے ہوئے کہا۔

"تو دل چھوٹا نہ کر رحمت۔۔ ہماری بیٹی ضرور ملے گی۔ میرا دل کہتا ہے کے اسے کچھ نہیں ہو گا۔" بوڑھے نے امید بھرے انداز میں کہا۔

"ایک میری بیٹی ہی تو تھی جس کے سہارے ہم زندہ تھے۔ پتہ نہیں کیا قصور ہو گیا جو ہماری آنکھوں کی روشنی کو یوں کوئی لے گیا۔" رحمت نے کہا اور پھر رونے لگ گئی۔ بوڑھا اٹھ کر گلاس میں پانی لے آیا۔

"اُٹھ ۔۔پانی پی لے ۔۔مایوسی گناہ ہے ۔۔تو مایوس نہ ہو۔۔کچھ نہیں ہو گا ہماری عصمت کو۔۔اللہ کسی کو بے سہارا نہیں چھوڑتا۔ "بوڑھے نے کہا۔

رحمت نے اُٹھ کر پانی کا گلاس پکڑ کے ہونٹوں سے لگا لیا۔ دونوں رو تو رہے تھے لیکن نہ وہ کسی

کو کوس رہے تھے۔۔نہ ہی وہ شکوہ کر رہے تھے۔۔۔دونوں صبر کا دامن تھامے ہوئے تھے۔ لیکن ان کے دل میں جھانک کر کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا کہ ان پر کیا گزر رہی ہے۔

بوڑھا جس کا نام کرم داد تھا۔۔اس کا ایک بیٹا اکبر، جوان ہوتے ہی شہری زندگی کی بھینٹ چڑھ گیا۔ شادی کر کے شہر میں ہی آباد ہو گیا تھا۔ عید کے عید وہ حقِ فرزندگی ادا کرنے پہنچ جاتا اور کوشش کرتا کے والدین کو زیادہ دیر اس کی مہمان نوازی نہ کرنی پڑے۔ اس کے علاوہ کرم داد کی ایک بیٹی عصمت تھی جو دونوں کا بہت خیال رکھتی تھی۔ اس کو غائب ہوئے آج دوسرا دن تھا۔

کرم داد چونکہ پیدل گھر آیا تھا لہٰذا اتنی دیر میں پولیس کے دو اہلکار بھی پوچھ گچھ کے لئے پہنچ گئے۔ کمرہ اندراج شکایات والے افسر کے برعکس

ان اہلکاروں کا انداز روایتی تھا۔ انھوں نے بوڑھوں کے حالات کو پسِ انداز رکھ کر دل کھول کے من پسند سوالات پوچھے۔ ان سوالات کی تاب رحمت بی بی نہ لا سکیں اور زارو قطار رونے لگ گئی۔ لیکن ان کے رونے کا نوٹس کسی نے نہ لیا۔ گھر کے مکینوں سے ابتدائی پوچھ گچھ کے بعد وہ محلے میں جا پہنچے اور تفتیش کا پہیہ گھر، گھر گھوما۔ کچھ نے ہمدردی جتلائی اور کرم داد کے گھرانے کے عزت دار ہونے کا سرٹیفیکیٹ دیا اور کچھ نے اپنے اندازے سے ان کو ڈرامے باز ہونے کا خطاب بخشا۔ چند ایک نے تفتیش کے سوالات میں خاطر خواہ اضافہ کیا اور پوچھے گئے سوالات کا بڑی دلچسپی سے جواب دیا۔ سب کے انداز سے لگ رہا تھا کے سب کو اس معاملے کی تہ تک پہنچنے میں بہت دلچسپی ہے۔

☆

ساحلِ سمندر پہ لوگوں کا ہجوم تھا۔ یہاں شہر کے باسی اور دوسرے شہروں سے آنے والے لوگوں کا ہر وقت جمِ غفیر لگا رہتا تھا۔ نوجوانوں کی خاصی تعداد موجود رہتی تھی۔ ہجوم کی وجہ سے یہاں پہ فاسٹ فوڈز والوں کی خوب بِکری ہوتی تھی۔ وہ لوگ حکومت کو ٹیکس بھی بھرتے تھے اور ساحلِ سمندر کو صاف رکھنا بھی ان کی ذمہ داری تھی۔ اس ذمہ داری کو وہ اچھے انداز سے نبھا رہے تھے لہٰذا رش ہونے کے باوجود علاقہ بہت صاف ستھرا تھا۔ پرسکون، صاف ستھرا اور محفوظ ماحول ہونے کی وجہ سے لوگ فیملی کے ساتھ بھی گھومنے آتے تھے۔ اس وقت بھی رونق عروج پہ تھی۔ ایک جگہ پہ نوجوان لڑکے اور لڑکیاں آپس میں نشانے بازی کا مقابلہ کر رہے تھے۔ لیکن اس مقابلے میں جو مشکل تھی وہ تھی غلیل۔۔ غلیل سے نشانہ لگانا سب کے بس کی بات نہ تھی۔ ہر نوجوان جوش و خروش سے آگے بڑھتا اور نشانہ لگانے کے بعد اس کا جوش جھاگ کی طرح بیٹھ جاتا۔ زیادہ تر لوگوں کا نشانہ نہیں لگ رہا تھا جس کی وجہ سے وہ لوگ بور ہو رہے تھے۔

"میں کوشش کروں؟" ایک چہکتی ہوئی آواز سنائی دی۔

سب نے مڑ کر دیکھا۔ سامنے ایک بے حد وجیہہ نوجوان ، بہترین تراش خراش کا کرتا شلوار پہنے کھڑا تھا۔ اس کا قد درمیانہ اور جسم میں بے پناہ پھرتی کا گمان ہوتا تھا، شخصیت میں جاذبیت تھی اور مردانہ وجاہت دیکھنے لائق تھی۔ اسے دیکھ کر خواہ مخواہ بندے پہ رعب طاری ہو جاتا تھا۔ اس نے آنکھوں پہ سَن گلاسز لگا رکھے تھے۔ لڑکیا ں تو لڑکیاں، لڑکے بھی اس کی وجاہت سے مرعوب نظر آرہے تھے۔ وہ آگے بڑھا اور لڑکے کے ہاتھ سے غلیل پکڑ لی۔ لڑکا غلیل پکڑا کر پیچھے ہٹ گیا۔ سب لوگ اس کے نشانہ لگانے سے زیادہ۔۔ اس نوجوان کو دیکھ رہے تھے۔ وہ سب کی نگاہوں سے بے نیاز، نشانہ سادھنے میں مگن تھا۔

"رَیڈی۔۔وَن۔۔ٹو۔۔تھری۔۔فور۔۔فائیو۔۔"نوجوان گنتی پڑھتا ہی گیا۔

سب لوگ جو سانس روکے کھڑے تھے کہ 'تھری' کہنے پہ وہ نشانہ لگا دے گا، وہ ہونق بنے اس کو دیکھے جا رہے تھے۔ وہ غلیل پکڑے اب پچاس سے آگے گنتی گن رہا تھا جیسے سکول میں اپنے ٹیچر کو گنتی سنا رہا

ہو۔ کچھ لوگوں کی ہنسی چھوٹ گئی۔ اب وہ دلچسپی سے اس نوجوان کو دیکھ رہے تھے۔

"سَر۔۔ نشانہ کب لگانا ہے؟" ایک نوجوان نے ہنستے ہوئے کہا۔

"نشانہ بھی لگا لیتے ہیں۔ پہلے چیک کر لوں کے گنتی کہاں تک آتی ہے مجھے۔" اس نوجوان نے گنتی روک کر سنجیدگی سے کہا اور پھر گنتی شروع کر دی۔

"آپ کو نہیں معلوم کے آپ کو کہاں تک گنتی آتی ہے؟ سکول نہیں گئے آپ کبھی؟"۔۔ اسی نوجوان نے پوچھا۔

"معلوم ہے۔ پہلے تو گھر کے کمرے سے واش روم تک آتی تھی۔ ایمرجنسی کے وقت میں گنتی پڑھتے ہوئے دوڑ لگا کر واش روم جاتا تھا۔ لیکن اب۔۔۔" نوجوان نے رک کر کہا۔ اور قہقہوں کی بارش ہو گئی۔

نوجوان نے حیران ہو کر سب کی طرف دیکھا۔

"" کیا ہوا۔۔ تمہارے گھر میں واش روم کی طرف دوڑ لگاتے ہوئے کچھ اور پڑھتے ہیں؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"سَر پلیز۔۔نشانہ لگائیں۔" نوجوان نے ہنسی کنڑول کرتے ہوئے کہا۔

اب سب کے چہروں سے بوریت مِٹ چکی تھی۔ وہ سب اس نوجوان کی باتوں سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔

"اوہ ہاں۔۔سوری۔۔میں بھول گیا تھا۔" کہتے ہوئے اس نوجوان نے نشانہ سادھا۔ چند سیکنڈ

وہ ایک آنکھ بند کر کے دوسری سے ٹارگٹ کی اہلیت جانچتا رہا، اس کی سنجیدگی دیکھ کر سب متوجہ ہو گئے۔

"لیکن ایک بات کی سمجھ نہیں آئی مجھے آج تک۔" اس نے ایک کافی دیر تک نشانہ سادھنے کے بعد سیدھے ہوتے ہوئے کہا۔

"یار۔۔۔۔" رش میں سے جھلاہٹ بھری آواز سنائی دی۔

"کس بات کی سمجھ نہیں آئی آپ کو؟" ایک لڑکی نے پوچھا۔

"جب میں واش روم کی طرف دوڑ لگاتا تھا تب مجھے زیادہ گنتی آتی تھی ۔۔لیکن سکول میں جب ماسٹر جی سنتے تھے تو دس سے آگے آتی ہی نہ تھی۔۔" نوجوان نے منہ بناتے ہوئے کہا۔ اور سب کی پھر ہنسی نکل گئی۔

"تم لوگ تو میری بات کو سیرئیس ہی نہیں لے رہے۔۔ اس سے بہتر ہے میں نشانہ ہی لگاؤں ۔۔ تاکہ تم لوگوں کو میری قابلیت کا پتہ چلے۔ "نوجوان نے منہ بناتے ہوئے کہا اور نشانہ سادھنے لگا۔

سب دوبارہ سنجیدہ ہو گئے۔ نوجوان نے غلیل کا ربڑ کھینچا۔ ایک آنکھ بند کر کے دوسری سے نشانہ لیا۔ اور اگلے لمحے اس نے غلیل کو چھوڑ دیا۔ سب کی نگاہیں تیزی سے حدف کی طرف گئیں۔ لیکن دھم کی آواز کے ساتھ سب کے سر تیزی سے اس نوجوان کی طرف واپس مڑے۔ وہ کمر پہ ہاتھ رکھے ریت پہ گرا برے برے منہ بنا رہا تھا۔ اس کا ایک ہاتھ کمر پہ تھا اور ایک منہ پہ۔

"آپ گر کیسے گئے؟" سب نے بیک وقت پوچھا۔

"وہ۔۔ وہ۔۔ دراصل میں نے ربڑ چھوڑنے کی بجائے دوسرے ہاتھ میں پکڑی غلیل ہی چھوڑ دی تھی۔۔۔ "نوجوان نے شرمندہ انداز میں منہ پہ ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ ایک لمحے کے لئے تو ہر طرف خاموشی چھا گئی اور پھر جیسے ہی سب کو بات سمجھ آئی کان پھاڑ قہقہے بلند ہوئے۔ اس نوجوان نے غلیل چھوڑی تو وہ سیدھی اس کے منہ پہ لگی اور وہ نیچے جا گرا۔ وہ اُٹھا اور کپڑے جھاڑنے لگا۔

"یہ ملک کبھی ترقی نہیں کر سکتا۔۔ ٹیلنٹ کی قدر ہی نہیں یہاں۔۔" منہ بنا کر کہتے اور کپڑے جھاڑتے ہوئے وہ ہجوم سے نکل گیا۔ نکلتے نکلتے اس نے مڑ کر غلیل میں موجود پتھر حدف کی طرف چھوڑ دیا تھا۔ اس کے پیچھے ہنسی کا فوارہ چھوٹا لیکن ساتھ ہی جیسے سب کو سانپ سونگھ گیا۔ پتھر ٹھیک نشانے پہ لگا تھا جبکہ اس نوجوان نے سرسری انداز میں نشانہ لیا تھا۔ اب کچھ لوگ اسے اتفاق گردان رہے تھے تو کچھ نوجوان کی مہارت۔ ہجوم سے نکلتے ہی اس نے جیب سے سیل فون نکالا۔ سیل فون کی وائبریشن کی وجہ سے وہ وہاں سے نکل آیا تھا۔ اس پہ نظر آنے والے نام کو دیکھ کر مسکرایا اور کال اٹنڈ کی۔

"کیا حال ہے جبران۔۔؟" اس نوجوان نے چہک کر پوچھا۔

"میں تو ٹھیک ہوں ساحر۔۔ تم سے ضروری کام ہے۔۔ کہاں ملاقات وہ سکتی ہے؟" جبران نے سنجیدگی سے کہا۔

"کسی ہوٹل میں مل لیتے ہیں۔ ابھی میں ساحلِ سمندر پہ نشانے بازی کر رہا ہوں۔" اس نوجوان نے، جسے ساحر کے نام سے پکارا گیا تھا، نے کہا۔

"ہوٹل میں نہیں۔ یا تم میری رہائش گاہ پہ آجاؤ یا تمہاری رہائشگاہ پہ مل لیتے ہیں۔" جبران نے کہا۔

"کیا ہوا؟؟ خیریت تو ہے نا؟" ساحر نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"خیریت ہی ہے۔ تم بتاؤ کہاں ملیں؟" جبران نے کہا۔

"تم کہاں ہو اس وقت؟" ساحر نے پوچھا۔

"اپنی رہائش گاہ پہ ہوں۔" جبران نے جواب دیا۔

"اوکے۔۔ اُدھر ہی رکو۔۔ میں پہنچتا ہوں۔" ساحر نے کہا اور کال بند کر کے وہ پارکنگ کی طرف بڑھا۔ اس کے چہرے پہ سنجیدگی تھی۔ جبران کے انداز سے لگ رہا تھا کہ کوئی مسئلہ درپیش ہے۔ تیزی سے ڈرائیونگ کرتے ہوئے وہ جبران کے فلیٹ پہ پہنچا۔ دروازے پہ لگی کال بیل بجائی۔

"کون ہے؟" جبران کی آواز آئی۔

"جو کہتا ہے، وہ خود ہی ہوتا ہے۔" ساحر نے ہانک لگائی۔ دروازہ کھلا اور جبران دروازہ کھول کر سائیڈ پہ ہو گیا۔ جبران، ساحر کی نسبت فربہ مائل صحت کا مالک تھا اور قد میں بھی قدرے کم۔ دونوں چلتے ہوئے ڈرائنگ روم تک پہنچے۔ ڈرائنگ روم میں ایک بوڑھے شخص کو دیکھ کر ساحر چونک گیا۔

"السلام علیکم انکل۔۔" ساحر نے کہا۔

"وعلیکم سلام بیٹا۔۔ خوش رہو۔" بزرگ نے کہا۔

"تم بیٹھو۔۔ میں کافی لاتا ہوں۔" جبران نے کہا۔

"نہیں۔ پہلے بات کرلیتے ہیں۔ مجھے انکل کافی پریشان نظر آرہے ہیں۔" ساحر نے اسے منع کرتے ہوئے کہا۔ اور جبران بیٹھ گیا۔

"انکل یہ میرا دوست ہے ساحر، جس کے متعلق میں نے آپ کو رستے میں بتایا تھا آپ اسے کھل کہ سب بتاسکتے ہیں۔ اور ساحر ان کا نام کرم داد ہے۔ یہ ساتھ والے شہر روشن گڑھ سے ہیں۔" جبران نے تعارف کرواتے ہوئے کہا۔

ساحر نے حیرت سے کرم داد کی طرف دیکھا جو اتنے بڑھاپے اور کمزوری کے باوجود دوسرے شہر سے یہاں کسی مسئلہ کے حل کے لئے جبران کے ساتھ آگئے تھے۔ اس کا مطلب تھا کہ مسئلہ گھمبیر تھا۔

"بیٹا میں روشن گڑھ کے ایک غریب گھر سے ہوں۔ میرا ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہے۔ بیٹا شادی کے بعد شہر منتقل ہو گیا ہے اور کبھی کبھار چکر لگاتا ہے۔ بیٹے کے جانے کے بعد میں نے اور میری بیوی نے بہت مشکل سے اپنی بیٹی کی شادی کی۔ اس کے سسرال والے بہت اچھے تھے۔ شادی سادگی سے ہوئی تھی اور شروع میں سب کچھ بہت اچھا

تھا۔ ہم خوش تھے کے ہماری بیٹی کی زندگی آسان ہو گئی ہے۔ وہ ہمیں ملنے آتی رہتی تھی۔ ہمارا بہت خیال رکھتی تھی۔ لیکن آہستہ آہستہ اس کا آنا جانا کم ہوتا گیا۔ کبھی کبھار وہ آتی تو اس کے چہرے پہ زخم کا نشان دیکھ کر ماں اس سے پوچھتی کہ اسے کوئی تکلیف تو نہیں مگر وہ کوئی نہ کوئی بہانہ بنا کر ٹال جاتی۔ کچھ عرصہ پہلے وہ اپنا سامان لے کر گھر آ گئی۔ اس نے بتایا کچھ بھی نہیں۔ ہم بھی چپ کر گئے کہ میاں بیوی کا جھگڑا ہو گیا ہو گا اور کچھ دنوں تک سب ٹھیک ہو جائے گا۔ کچھ دنوں کے بعد اس کا شوہر آیا۔ دونوں کی آپس میں تکرار شروع ہو گئی۔ میں گھر سے باہر تھا۔ گھر واپس پہنچا تو پتہ چلا کہ وہ لوگ جہیز مانگتے ہیں اور جب میری بیٹی نے کہا کہ جہیز دینے کی ہماری استطاعت نہیں تو انہوں نے کہا کہ والدین کا مکان ہمارے نام کرا دو ورنہ تم یہاں نہیں رہ سکتی۔ جب تک وہ ان کا تشدد برداشت کر سکتی تھی تب تک وہ اس گھر میں ہی رہی اور پھر سامان لے کر ہمارے گھر آ گئی تھی۔ ہم نے کوشش کی کہ مکان ان کے نام کر دیں لیکن ہماری بیٹی نے ہمیں روک دیا۔ اس کے بقول ان لوگوں کا کوئی بھروسہ نہیں کہ وہ مکان نام کروا کر بھی اسے گھر میں رہنے دیں گے یا نہیں۔ اس بات پہ ہم بھی چپ کر جاتے تھے۔ وہ لوگ

ہر مہینے آ کر میری بیٹی سے جھگڑا کرتے تھے۔ نہ وہ طلاق دے رہے تھے نہ ہی جان چھوڑ رہے تھے۔ میں نے پولیس میں رپورٹ کروائی تو ان لوگوں کا آنا جانا کم ہو گیا۔ لیکن پچھلے دنوں میری بیٹی گھر سے غائب ہو گئی۔ میں اس کی ماں کے ساتھ ایک فوتگی پہ تھا۔ واپس آئے تو وہ گھر میں نہیں تھی۔ کسی نے آتے جاتے بھی نہیں دیکھا۔ میں نے پولیس میں رپورٹ کروائی تو الٹا ہم لوگ ہی پھنس گئے۔ محلے میں بدنامی الگ ہوئی۔ ابھی تک میری بیٹی کو پولیس نہیں ڈھونڈ سکی۔ میں تھانے سے پیدل گھر جا رہا تھا تو یہ نوجوان خود ہی گاڑی روک کر مجھے گاڑی میں بٹھانے کی ضد کرنے لگ گیا تو مجبوراً مجھے بیٹھنا پڑا۔ اس نے مجھ سے میرے بارے میں پوچھنا شروع کیا تو میں رو پڑا۔ یہ مجھے یہاں لے آیا کہ اس کا کوئی دوست میری بیٹی کو ڈھونڈ سکتا ہے۔" کرم داد نے آہستہ آہستہ تفصیل بتائی۔

"آپ گھبرائیں مت۔ آپ کی بیٹی ہماری بہن ہے۔ ہم ضرور اسے ڈھونڈ نکالیں گے۔ لیکن

آپ اس بات کا ذکر کسی سے نہیں کریں گے۔" ساحر نے فوری حامی بھرتے ہوئے کہا۔

"شکریہ بیٹا۔ میں کسی کو بھی نہیں بتاؤں گا۔ تمہارا تعلق کس ادارے سے ہے؟" کرم دادا نے پوچھا۔

"ہمارا تعلق کسی ادارے سے بھی نہیں ہے۔۔ لیکن ہم آپ کی بیٹی کو ضرور ڈھونڈیں گے۔" ساحر نے جواب دیا۔

"اللہ تمہاری مدد کرے بیٹا۔۔" کرم داد نے کہا۔ لیکن یہ سن کر کہ ان کا تعلق کسیادارے سے بھی نہیں اس کے چہرے کی چمک مدہم پڑ گئی تھی۔ اس لگا تھا کہیہ لوگ بس دلاسا ہی دے رہے ہیں۔

"آپ کے پاس اپنی بیٹی کی کوئی تصویر ہے؟" ساحر نے پوچھا۔

"گھر پہ ہے۔" کرم داد نے جواب دیا۔

"جبران تم انہیں گھر چھوڑ آؤ۔ تصویر اور تفصیلات بھی لے آنا۔ پھر اس کیس پہ کام شروع کریں۔ سب کچھ جلدی کرنا ہے، دیر کرنا مناسب نہیں۔" ساحر نے اُٹھتے ہوئے کہا۔ پھر وہ سلام کر کے نکل گیا۔ اس کا رُخ اپنی رہائش گاہ کی طرف تھا۔ اس کا چہرہ دکھ سے بھرا ہوا تھا۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس نے شاید پہلی بار ملک کے کسی مظلوم کو معاشرے کی قید میں دیکھا تھا جبکہ وہ ہمیشہ یہی سمجھتا رہا کہ وہ سب آزاد ملک کے شہری ہیں۔

☆

رات کا وقت تھا۔ ایک کوٹھی کی چھت پہ ایک نقاب پوش سایہ کھڑا تھا۔ اس کی پشت پہ ایک بیگ تھا۔ اس علاقے کی تمام کوٹھیاں درمیانے درجے کی تھیں۔ اور زیادہ تر کوٹھیوں کی دیواریں ایک دوسرے سے جڑی ہوئی تھیں۔ اسی لئے وہ آسانی سے کوٹھی کی چھت پہ پہنچ گیا تھا۔ نیچے جانے کے لئے جو دروازہ تھا وہ بند تھا۔ اس نے جنگلے

سے جھانک کر دیکھا تو نیچے والی منزل کا جنگلا اوپر والی منزل کے جنگلے کی سیدھ میں بنا ہوا تھا۔ اگر وہ آگے بڑھا ہوتا تو وہ آسانی سے چھلانگ لگا جاتا۔ کچھ دیر وہ سوچتا رہا۔ اس کے بیگ میں ایک رسی تھی۔ تھوڑی دیر بعد اس نے وہ رسی نکالی۔ جنگلے کے سوراخ میں اس رسی کا ہک پھنسایا۔ اس کو کھینچ کر چیک کیا۔ اور دوسری طرف رسی پھینک دی۔ بیگ دوبارہ پشت پہ پہن کر وہ جنگلے پہ چڑھا اور جھک کر رسی پکڑی اور رسی سے لٹک کر نیچے والی منزل کے جنگلے پہ پہنچ گیا۔ ایک کھلی کھڑکی سے وہ اندر داخل ہوا۔ اور کمروں میں جھانک کر چیک کرتا ہوا آگے بڑھتا گیا۔ چیک کرتے ہوئے وہ گراؤنڈ فلور کے کمروں تک پہنچ گیا۔ ایک کمرے کے علاوہ باقی کمرے کھلے تھے۔ اس نے لاکڈ کمرے کو پن سے کھولا۔

"تم نے سوچا تھا کہ کمرہ لاک کرنے سے تم بچ جاؤ گے۔" نقاب پوش نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔ اس کی آواز میں انتہا کی سختی تھی۔

اندر ایک نوجوان بیڈ پہ سو رہا تھا۔ وہ آہستہ سے اس کی طرف بڑھا۔ اس نے بیگ سے انجکشن نکالا۔ سوئے ہوئے نوجوان کے بازو کو اُٹھایا اور بغل کے نیچے انجکشن لگا دیا۔ نوجوان ہڑبڑایا تو انجکشن لگانے والا بیڈ کی سائیڈ پہ چھپ گیا۔ تھوڑی دیر تک وہ نوجوان خارش کرتا رہا اور پھر سو

گیا۔ نقاب پوش اُٹھا اور انجکشن کی باقیات کو سمیٹتے ہوئے دروازہ لاک کر کے جس رستے آیا تھا اسی رستے نکل گیا۔ چھت پہ پہنچ کر اس نے اپنی رسی سمیٹ کر بیگ میں رکھی اور تیزی سے چھتیں پھلانگتا ہوا وہاں سے نکل گیا۔ سڑک کے کنارے کھڑی کار کے پاس پہنچ کر اس نے کار کا لاک کھولا۔ بیگ کو پچھلی سیٹ پہ رکھا اور خود ڈرائیونگ سیٹ پہ بیٹھ کر اس نے کار آگے بڑھائی۔ اس نے نقاب اتار دیا تھا۔ وہ درمیانی عمر کا تھا ۔ اس کا چہرہ سپاٹ تھا۔ سختی جیسے اس کے چہرے کا حصہ تھی۔ اور کار چلاتے ہوئے اس نے ڈیش بورڈ سے ایک سیل فون نکالا اور نمبر ڈائل کیا۔

"یس۔۔" دوسری طرف سے غراہٹ سنائی دی۔

"باس۔۔کام ہو گیا۔" اس نے کہا۔

"گڈ۔۔کوئی پرابلم تو نہیں بنا؟" باس نے پوچھا۔

"نہیں باس۔ سب آسانی سے ہو گیا۔" اس نے جواب دیا۔

"اوکے۔ اب سب یاد رکھیں گے کہ ہمیں بلیک میل کرنا آسان نہیں۔ اڈے پہ پہنچو۔۔ ایک پارٹی آئی ہے۔ ان سے مل لو۔" باس نے کہا۔

"یس باس۔۔ میں پہنچ رہا ہوں۔" اس نے کہا تو دوسری طرف سے کال بند ہو گئی۔ اس نے موبائل پاور آف کر کے ڈیش بورڈ میں رکھا اور کار کی سپیڈ بڑھا دی۔

شہر کی آباد سڑکوں سے گزرتے ہوئے وہ کم گنجان علاقے میں پہنچا۔ ایک فارم ہاؤس کے سامنے رک کر اس نے تین بار ہارن بجایا۔ گیٹ کھلنے پہ وہ گاڑی اندر لے گیا۔ پورچ میں گاڑی کھڑی کر کے وہ اندر داخل ہوا۔ ڈریسنگ روم میں پہنچ کر اس نے نیا لباس نکالا اور واش روم میں چلا گیا۔ فریش ہو کر وہ اس روم سے نکلا۔ آفس نما کمرے میں پہنچ کر اس نے انٹر کام پہ کسی کو اندر بلایا۔

"یس باس۔۔" آنے والے نے پوچھا۔

"ایک پارٹی نے آنا تھا۔ کیا وہ آ گئی؟" باس نے پوچھا۔

"یس باس۔۔ میٹنگ روم میں ہیں وہ لوگ۔"

"اوکے۔ میٹنگ روم میں کافی پہنچا دو۔" باس نے کہا اور میٹنگ روم کی طرف بڑھ گیا۔ میٹنگ روم میں دو لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ حلیے سے وہ بزنس مین لگتے تھے۔ وہ سیدھا مرکزی کرسی پہ جا کر بیٹھا۔

"آپ لوگوں نے سیمپل دیکھا؟" اس نے پوچھا۔

"ہاں جابر۔۔ سیمپل بہت اچھا ہے۔ اگر باقی مال بھی ایسا ہی ہو تو بہت ہی کمال ہو جائے۔ مارکیٹ میں سب سے زیادہ مانگ بھی پھر ہمارے مال کی ہو گی۔" پہلے بیٹھے ہوئے شخص نے کہا۔

"ملک صاحب ہم دھوکہ دینے کا کام نہیں کرتے۔ جو سیمپل دکھایا ہے ویسا ہی مال ہو گا۔ لیکن ایک بات یاد رکھئے گا۔ آپ ہمیں جو مقصد بتائیں گے، مال صرف اسی مقصد کے لئے بہترین ہو گا۔ ہر کام کے لئے الگ قسم کا مال ہوتا ہے۔۔ میرا خیال ہے کہ آپ یہ بات سمجھتے ہیں۔" جابر نے کہا۔

"ہاں۔۔ یہ بات مجھے بتا دی گئی تھی۔ اور ہم اپنی ضرورت کے حساب سے ہی مال کا ٹیسٹ کر کے آئے ہیں۔" ملک نے کہا۔

"تو پھر سودا پکا؟" جابر نے پوچھا۔

"سودا تو پکا ہے۔۔ لیکن۔۔؟" ملک نے ادھوری چھوڑ دی۔

"لیکن کیا۔۔ ریٹ نہیں بدلے گا۔۔ یہ بات طے ہے۔" جابر نے کہا۔

"نہیں۔۔ ریٹ کا مسئلہ نہیں۔ قانونی مسئلہ تو نہیں بنے گا؟" ملک نے کہا۔

"مال گودام سے نکلنے تک کی ذمہ داری ہماری ہے۔ تب تک اگر کچھ ہوا تو میں ذمہ دار ہوں۔ اس کے بعد تمہاری ذمہ داری۔" جابر نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ سودا پکا۔ کب مال اُٹھا لیں؟" ملک نے کہا۔

"پرسوں رات کو۔۔ جگہ اور وقت میں بتا دوں گا۔" جابر نے کہا۔

"اوکے۔۔ میں انتظار کروں گا۔" ملک نے اُٹھتے ہوئے کہا۔ ان لوگوں کے باہر جاتے ہی جابر نے سامنے پڑا فون اُٹھایا اور نمبر ڈائل کیا۔ کافی پہنچ چکی تھی اس نے کافی پینا شروع کیا۔

"یس۔۔" غراہٹ سنائی دی۔

"باس۔ سودا پکا ہو گیا ہے۔ پرسوں شام کی ڈیلیوری ہے۔" جابر نے کہا۔

"اوکے۔۔ میرے ذہن میں ایک خیال ابھرا ہے، دو مارکیٹس میں تو ہم کام کر رہے ہیں۔ اب کوئی تیسری مارکیٹ بھی بنائی جائے۔" باس نے کہا۔

"یس باس۔۔ میں خود اسی پوائنٹ پہ سوچ رہا تھا۔" جابر نے کہا۔

"لیکن مارکیٹ وہ دیکھنی ہے جس سے کوئی خطرہ نہ ہو۔" باس نے کہا۔

"یس باس۔۔" جابر نے کہا اور کال بند ہو گئی۔ جابر کافی ختم کرنے کے

بعد باہر نکل آیا۔

"میں شہر جارہا ہوں۔ الرٹ رہنا۔" جابر نے اس گارڈ سے کہا۔

"یس باس۔۔ فکر نہ کریں۔" اس گارڈ نے مودبانہ لہجے میں کہا۔ اور جابر سر ہلاتا ہوپورچ کی طرف چل دیا۔

کار میں سوار، وہ شہر پہنچا۔ اس کا رخ سٹی ہوٹل کی طرف تھا۔ گاڑی پارک کرکے وہ ہوٹل میں پہنچا۔ سارے ویٹرز اسے سلام کر رہے تھے جیسے وہ اسے اچھی طرح جانتے ہوں۔ لفٹ کے ذریعے وہ سیکنڈ فلور کے ایک آفس نما کمرے میں داخل ہوا۔ اور ریوالونگ چیئر پہ بیٹھ گیا۔ سامنے ٹیبل پہ چیئرمین کے نام سے اس کی نیم پلیٹ پڑی تھی۔ اس نے ریسیور اٹھایا۔ اور

نمبر ملایا۔

"یس سر۔۔" آپریٹر کی آواز آئی۔

"صادق کو بھیجو۔" اس نے نرم لہجے میں کہا۔ تھوڑی دیر بعد ایک نوجوان اندر داخل ہوا۔ جابر نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"صادق۔۔ یہ شہر تو ہمارے ہوٹل کی شاخوں سے بھر چکا ہے۔ اب میں

سوچ رہا تھا کہ کسی اور شہر میں بھی کاروبار کی بنیاد رکھی جائے۔ " جابر نے کہا۔

"یس باس۔ ۔ ہم یہ آسانی سے کر سکتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ کیپٹل سٹی میں ہوٹل بنانا منافع بخش رہے گا۔ لیکن وہاں مقابلہ سخت ہو گا۔ مارکیٹ میں جگہ بنانے پہ وقت لگے گا۔ " صادق نے کہا۔

"گڈ آئیڈیا۔ ۔ کیپٹل سٹی ہی ٹھیک ہے۔ تم لوکیشن وغیرہ کی چیکنگ شروع کرو۔ مقابلے کی فکر مت کرو۔ ۔ وہ ہم آسانی سے کر لیں گے۔ " جابر نے مسکراتے ہوئے کہا۔ مسکراہٹ میں اس کا چہرہ عجیب لگتا تھا۔ اس کے چہرے پہ سختی ہی جچتی تھی۔

"رائٹ سر۔ ۔ میں صبح ہی کیپٹل سٹی کے لئے نکل جاتا ہوا۔ " صادق نے اٹھتے ہوئے کہا۔ اور سلام کر کے باہر کو چل دیا۔

جابر شہر کی مشہور و معروف ہوٹل چین کا مالک تھا۔ اس کے ہوٹلوں کی بہت شہرت تھی۔ اس کا سٹاف کسٹمرز کا بہت خیال رکھتا تھا۔ اس وجہ سے شہر میں اس کا بڑا نام تھا۔ جہاں بھی وہ اپنے ہوٹل کی برانچ قائم کرتا ، وہاں ساتھ ہی اس کا خفیہ کاروبار بھی چل پڑتا تھا۔

☆

کبیر ایک پر کشش نوجوان تھا، لمبا تڑنگا اور مضبوط جسم کا مالک۔ وہ اپنی یونیفارم میں اور بھی زیادہ پر کشش نظر آتا تھا مگر فی الوقت وہ یونیفارم میں نہیں تھا۔ وہ روشن گڑھ کے پولیس اسٹیشن میں موجود تھا۔ وہ ساحر کی ہدایت پہ کرم داد کی بیٹی عصمت کے بارے میں ہوئی تفتیشی رپورٹ دیکھنے آیا تھا۔ رپورٹ کے مطابق لڑکی خود گھر سے بھاگ گئی تھی۔ لڑکی اپنے سسرال سے تنگ تھی، شاید اپنے والدین کے گھر کا معیار بھی اسے پسند نہیں تھا اس وجہ سے وہ گھر سے اپنی مرضی سے بھاگی تھی۔ کرم داد کے گھر میں زبردستی اغوا کے کوئی آثار نہ تھے۔ گلی محلے سے بھی کسی نے شور شرابہ نہ سنا تھا۔ لڑکی کے سسرال والوں سے بھی پوچھ گچھ کی گئی تھی۔ انہوں نے اس معاملے میں لاعلمی کا اظہار کیا تھا۔ ان وجوہات پہ مبنی رپورٹ کبیر کو کسی کام کی

نہ لگی۔ کرم داد کی طرف سے عصمت کے شوہر اور دیور پہ کیس کیا گیا تھا لیکن ابھی تک کسی قسم کی پیش رفت نہ ہوئی تھی۔ کبیر واپس جانے کے لئے پولیس اسٹیشن سے نکلا۔ پارکنگ تک پہنچ کے اس کے ذہن میں ایک خیال آیا تو وہ تیزی سے واپس مڑا۔ وہ سیدھا کمرہ اندراج شکایات پہنچا۔ کرم داد سے ملی معلومات کے حساب سے اس اہلکار نے ان سے ہمدردی کا جذبہ دیکھایا تھا۔ کبیر اسے بھی ٹٹولنا چاہتا تھا۔

"السلام علیکم۔۔ میرا نام کبیر خان ہے۔۔ میں کیپٹل سٹی پولیس میں انسپکٹر ہوں۔" کبیر نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے تعارف کرایا۔

"وعلیکم سلام سر۔۔ میرا نام ارشد ہے۔۔" اس نے خوش دلی سے کہا اور اُٹھ کے سلیوٹ مارا۔

"اوہ۔۔ میں ڈیوٹی پہ نہیں۔۔ برائے مہربانی یہ پروٹوکول رہنے دو۔" کبیر نے اس کے سلیوٹ کرنے پہ کہا۔

"کوئی بات نہیں سر۔۔ آپ ہیں تو میرے سینئیر۔" ارشد نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ساتھ ہی اس نے چپڑاسی کا آواز دی اور چائے لانے کا کہا۔

"رہنے دو ارشد۔۔مجھے تم سے کچھ معلومات چاہئیں بس۔"کبیر نے چائے سے منع کرتے

ہوئے کہا۔

"پی ایس سر۔۔مجھے خوشی ہوگی۔۔حکم کریں۔"ارشد نے کہا۔

"پچھلے دنوں تمہارے پاس ایک کیس رجسٹر ہوا ہے۔ایک لڑکی اغوا ہوئی ہے عصمت نامی۔"کبیر نے کہا۔

"جی سر۔۔میں کرم داد کو پہنچانتا ہوں اسلئے مجھے یاد ہے۔" ارشد نے کہا۔

"میں ابھی انوسٹی گیشن رپورٹ پڑھ کر آرہا ہوں۔کرم داد کے بیان اور رپورٹ کے نتیجے میں کوئی مماثلت نظر نہیں آتی۔کرم داد کا بیان ہے کہ اس کی بیٹی کو اغواء کیا گیا ہے اور رپورٹ کے مطابق وہ خود بھاگی ہے۔"کبیر نے کہا۔

"آپ کا ان سے کیا رشتہ ہے؟"ارشد نے پوچھا۔

"ان کا بیٹا میرا دوست ہے اور ویسے انسانیت سب سے بڑا رشتہ ہے۔" کبیر نے کہا۔

"مجھ سے کیا چاہتے ہیں آپ؟"۔ارشد نے پوچھا۔

"ویسے ہی میں نے سوچا تم سے مل لوں۔ ہو سکتا ہے کوئی نئی بات ہی معلوم ہو جائے۔" کبیر نے کہا۔

"سر۔۔اس شہر میں پچھلے سال سے اب تک ایسے بہت سے کیسز رجسٹر ہوئے ہیں۔ لیکن

نتیجہ وہی ہے جو آپ رپورٹ میں پڑھ آئے ہیں۔" ارشد نے میز پہ جھکتے ہوئے کہا۔ اتنے

میں چپڑاسی چائے لے کر آگیا۔ اس نے کپ میز پہ رکھے اور کیتلی سے چائے کپ میں ڈالنے لگا۔

"کیا مطلب؟" کبیر نے سیدھا ہوتے ہوئے پوچھا۔

"مطلب یہ کے لڑکیاں اور لڑکے اغوا ہوتے ہیں۔ ان کی رپورٹس بھی درج ہوتی ہیں لیکن نتیجہ کوئی نہیں نکلتا۔ کچھ عرصے بعد فائل بند ہو جاتی ہے۔" ارشد نے کہا۔ چپڑاسی نے چائے کا کپ کبیر کے سامنے رکھا۔

"آج تک ایک بھی کیس حل نہیں ہوا؟ یا کسی کیس میں کوئی مشکوک شخص سامنے آیا ہو؟" کبیر نے چائے کا کپ اُٹھاتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں سر۔۔ کسی کیس میں بھی ایسا نہیں ہوا۔" ارشد نے کہا۔

"اور کوئی اغوا شدہ لڑکا یا لڑکی واپس نہیں آیا؟" کبیر نے چائے پیتے ہوئے پوچھا۔ وہ چائے تیزی سے پی رہا تھا جیسے جلدی میں ہو۔

"نو سر۔۔ کوئی بھی نہیں۔" ارشد نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"ویری سٹرینج۔۔" کبیر نے کہا اور پھر وہ محکمانہ باتوں میں الجھ گئے۔ چائے کا خالی کپ رکھ کر کبیر اُٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے اٹھتے ہی ارشد بھی کھڑا ہو گیا۔

"اس بارے میں اگر مزید معلومات درکار ہوں تو کہاں سے مل سکتی ہیں؟" کبیر نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے پوچھا۔

"ایک شخص ہے۔ گولڈن ہوٹل کا ہیڈ ویٹر۔۔ اس کا نام جنید ہے۔ اس کا معلومات بیچنے کا کاروبار ہے۔ شاید وہ کچھ بتا سکے۔" ارشد نے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

"او کے۔۔ تھینک یو سو مچ ارشد۔۔ خدا حافظ۔۔" کبیر نے کہا اور باہر نکل آیا۔ اس نے پارکنگ سے کار نکالی اور گولڈن ہوٹل کی طرف چل پڑا۔ وہاں پہنچ کر اس نے جنید کا پوچھا تو اسے بتایا گیا کہ وہ ابھی کچن میں گیا ہے۔ کبیر نے کافی کا آرڈر دیا اور ساتھ جنید کے لئے پیغام دے

بھیجا۔ تھوڑی دیر بعد کافی پہنچ گئی۔ کافی لے کر آنے والا غور سے کبیر کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"آپ سرکاری بندے ہیں؟" اس نے آتے ہی پوچھا۔

"تمہیں کیسے پتہ؟" کبیر نے حیرانگی سے پوچھا۔

"میرے پاس دو قسموں کے لوگ ہی آتے ہیں۔ آپ دوسری ٹائپ کے نہیں لگتے۔" اس نے اطمینان سے کہا۔ اس کے چہرے پہ مسکراہٹ تھی جسے دیکھ کے لگتا تھا کے وہ گاہک کے ساتھ روٹین کی کوئی بات کر رہا ہے۔

"ٹھیک سمجھے تم۔۔ مجھے کچھ معلومات درکار ہیں۔ تمہیں معقول معاوضہ ملے گا۔" کبیر نے کہا۔

"اوکے۔۔ ایک گھنٹے بعد دوبارہ تشریف لائیں۔ کاؤنٹر پہ گئے بغیر فرسٹ فلور روم نمبر آٹھ میں آجائیں۔" جنید نے کہا اور مسکرا کر واپس چلا گیا۔

کبیر نے کافی پی۔ بل دیا اور پارکنگ کی طرف بڑھ گیا۔ وہ بلا مقصد سڑکوں پہ گھومتا رہا اور جب ایک گھنٹہ پورا ہونے کو تھا وہ واپس ہوٹل پہنچا۔ اس بار وہ ڈائریکٹ ہوٹل کی لفٹ کی طرف بڑھا۔ فرسٹ فلور

کے روم نمبر آٹھ پہ دستک دے کر وہ دروازہ کھلنے کا انتظار کر رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد دروازہ کھلا تو جنید نظر آیا۔ اس نے ہٹ کر کبیر کو اندر داخل ہونے کا رستہ دیا۔ کبیر کو اس نے صوفے پہ بیٹھنے کا اشارہ کیا اور فریج میں سے جوس کے دو ڈبے نکالے۔ ایک کبیر کو دے کر وہ کبیر کے سامنے والے صوفہ پہ بیٹھ گیا۔

"جی سر۔۔۔ فرمائیں۔" اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"شہر میں کافی عرصے سے اغوا ہو رہے ہیں ان کے بارے میں تمہارے پاس کوئی معلومات ہیں؟" کبیر نے جوس پیتے ہوئے پوچھا۔

"آپ کو سب کی معلومات چاہیں یا کسی ایک کیس کی؟" جنید نے پوچھا۔

"پہلے تو ایک کی۔۔۔ پھر سب کی۔" کبیر نے چونک کر سیدھے ہوتے ہوئے کہا۔

"پہلے والا پوچھیں۔" جنید نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"لڑکی ہے ایک۔ نام عصمت ہے۔ ایک غریب گھر۔۔" کبیر نے بات شروع کی۔

"اس کے بارے میں صرف پوچھنا ہے یا بازیاب بھی کرنا ہے؟" جنید نے بات کاٹتے ہوئے پوچھا۔

"بازیاب کرانا ہے۔" کبیر نے چونک کر کہا۔

"وہ شہر سے باہر ایک فارم ہاؤس میں ہے۔ اور کل شام تک ہی وہاں رہے گی۔ اس کے بعد اس کا کوئی سراغ نہیں ملے گا۔" جنید نے سنجیدگی سے کہا۔

"اوہ۔۔ کیا یہ خبر سچی ہے؟" کبیر نے اچھلتے ہوئے کہا۔

"سو فیصد۔۔" جنید نے جواب دیا۔

"میں ایک کال کر لوں۔۔" کبیر نے سیل نکالتے ہوئے کہا۔ اور نمبر ملایا۔

"میرا نام نہ آئے درمیان میں۔" جنید نے جلدی سے کہا۔

"ہیلو ڈئیر داروغے۔۔۔" ساحر کی آواز سنائی دی۔

"لڑکی کی لوکیشن مل گئی ہے۔ وہ کل شام تک اس لوکیشن پہ ہو گی۔ لوکیشن تمہیں میسج کر دیتا ہوں۔ باقی بات بعد میں ہو گی۔ بائے۔" کبیر نے کال بند کر کے لوکیشن میسج کی۔

"وہاں پولیس فورس پہنچنے سے پہلے ہی انفارمیشن پہنچ جائے گی۔۔ وہ رش والا علاقہ نہیں ہے۔ دور سے ہی گاڑیاں نظر آ جائیں گی۔ اور پھر کچھ

بھی نہیں ملے گا۔" جنید نے منہ بناتے ہوئے کہا۔ شاید داروغہ کا لفظ اس کے کانوں تک پہنچ گیا تھا۔

"تم سے کس نے کہا کے فورس جائے گی؟" کبیر نے مسکرا کر کہا۔

"تو پھر کیسے اس لڑکی کو بازیاب کرانا ہے ؟" جنید نے حیران ہوتے ہوئے پوچھا۔

" جسے کال کی ہے وہ کرائے گا بازیاب۔" کبیر نے کہا۔

"ایک بندہ۔۔ ایک پولیس والا کیسے کر سکتا ہے یہ کام ؟" جنید نے کہا۔

"یہ کام کرے گا تو ایک بندہ ہی۔ لیکن وہ پولیس والا نہیں ہے۔ یہ معاملہ نہیں بتایا جا سکتا۔ تم اب مجھے اس معاملے کی پوری تفصیل بتاؤ۔ جو قیمت کہو گے ملے گی۔" کبیر نے کہا۔

"تو یہ بڑے پیمانے پہ ہونے والا کام ہے۔ اور لوگ بھی خاص ہیں۔" جنید نے سر ہلاتے ہوئے کہا تو کبیر نے ہاں میں سر ہلا دیا۔

"اوکے۔۔ مجھے آپ کو معلومات دینے میں بہت خوشی ہو گی۔ آپ پوچھیں جو پوچھنا ہے؟" جنید نے کہا۔

"مجھے اس بارے میں ساری معلومات چاہییں۔ کوئی پوائنٹ بھی نہ رہ جائے۔ میرا اندازہ

ہے کہ بہت سارے خاندانوں کی اور لوگوں کی زندگیوں کا سوال ہے، اس لئے تم بھی خیال

رکھنا۔" کبیر نے کہا۔

"میں سمجھتا ہوں۔ میرے پاس یہ معلومات بہت عرصے سے ہیں لیکن آج تک کوئی ایسا ملا ہی نہیں جسے بتاتا۔ کیونکہ میرا نام سامنے آجاتا تو نہ میں رہتا نہ میرا خاندان۔ یہ داستان بہت المناک ہے لیکن میں ذاتی طور پہ کر کچھ نہیں سکتا تھا۔ آپ پہ یقین کرنے کو دل چاہتا ہے۔ ان

معلومات کا میں کوئی معاوضہ نہیں لوں گا۔" جنید نے جذباتی لہجے میں کہا۔

"اگر کوئی ایسا معاملہ ہے تو آج تک کسی نے اس کام میں ہاتھ کیوں نہیں ڈالا؟" کبیر نے اسے حیرت سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"اس کام میں بہت خاص لوگ ملوث ہیں، اس کے علاوہ کسی بڑے اور طاقتور ادارے نے

کبھی اس معاملے میں دلچسپی ہی نہیں لی۔" جنید نے افسردگی سے کہا۔

کبیر اس کی یہ باتیں سن کر چونک گیا۔ اسے محسوس ہوا کہ معاملات تو کچھ اور ہی ہیں۔ پھر جیسے جیسے جنید تفصیل بتاتا گیا کبیر کا چہرہ غم اور غصے سے دہکنا شروع ہو گیا۔ جنید سے سب سن کر وہ گھومتے دماغ کے ساتھ لفٹ کی طرف بڑھا۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ آس پاس کیا ہو رہا ہے یا وہ کدھر جا رہا ہے۔ پارکنگ پہنچ کر وہ گاڑی میں بیٹھا ہی تھا کہ اس کے سر پہ کوئی بھاری چیز زور سے لگی۔ پھر دوبارہ لگی اور وہ بے ہوش ہوتا چلا گیا۔

☆

ساحر اور جبران کار میں سوار کبیر کی بتائی گئی لوکیشن کی طرف جارہے تھے۔ کبیر سے انفارمیشن ملنے کے بعد ساحر نے اسلحہ کار میں بھرا اور جبران کو لے کر نکل پڑا۔ اس نے روشن گڑھ پہنچ کر کافی کوشش کی کہ اس فارم ہاؤس کا اندرونی نظام پتہ چل جائے لیکن ایسا کوئی کلیو نہ ملا۔ کبیر کا نمبر بھی نہیں لگ رہا تھا۔ شام ہو چکی تھی۔ ہلکا ہلکا اندھیرا تھا لیکن اب بھی ماحول صاف نظر آرہا تھا۔ ساحر نے فارم سے تھوڑے فاصلے پہ کار روکی اور دوربین لے کر کار سے نکل گیا۔ آس پاس نظر گھما کر دیکھا اور پھر ایک درخت کی طرف مڑ گیا۔ وہ کمال پھرتی سے درخت پہ چڑھا اور اپنے آپ کو درخت کی شاخوں میں ایڈجسٹ کر کے فارم ہاؤس کا دوربین سے جائزہ لینے لگا۔ تھوڑی دیر بعد وہ درخت سے اترا اور کار میں پہنچ گیا۔

"فارم ہاؤس میں سکیورٹی پہ کافی لوگ مامور ہیں۔ اور ہیں بھی چاروں طرف۔ چھت پہ ایک، دو لوگ ہی نظر آئے ہیں۔ آس پاس کھیت یا درخت ہی ہیں۔ ٹارگٹ سے تھوڑے فاصلے پہ ایک اور فارم ہے۔ سکیورٹی پہ اتنے لوگ ہونے کا مطلب ہے کہ یہ فارم ہاؤس کسی بہت اہم

شخص کا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ بیک اَپ بھی آسکتا ہے۔" ساحر نے سنجیدگی سے کہا۔

"تو پھر۔۔ واپس جانا ہے؟" جبران نے پوچھا۔

"نہیں۔ واپس جانے کا تو کوئی چانس نہیں۔ آئے ہیں تو کام پورا کر کے جائیں گے۔ تفصیل بتانے کا مطلب تھا کے حالات کی مکمل خبر ہونی چاہئے۔" ساحر نے کہا۔

"تو پھر کیا پلان ہے؟" جبران نے کہا۔

"تمھیں میں پہلے فارم سے تھوڑا آگے اتار دوں گا۔ تم اُس فارم ہاؤس کے عقب میں جاؤ گے۔ وہاں پہنچ کر مجھے کاشن دینا۔ اور فارم ہاؤس کا عقب جہنم بن جانا چاہئے۔ میں سامنے سے گھسوں گا۔ خیال رکھنا کے تمھیں بھی ایمبولینس میں نہ لے کر جانا پڑے۔" ساحر نے پلان بتاتے ہوئے کہا۔

"یہ کام تو ہم چپکے سے بھی کر سکتے ہیں، پھر یہ سب کیوں؟" جبران نے پوچھا۔

"کر سکتے ہیں۔ لیکن سکیورٹی دیکھ کے لگتا ہے کے معاملات گہرے ہیں۔ اور میں ان لوگوں کو ایسا زخم دینا چاہتا ہوں کہ یہ آئندہ ایسی حرکت کرنے کی سوچیں بھی نہ۔" ساحر نے سخت لہجے میں کہا۔

"اوکے۔۔ میں تیار ہوں۔" جبران نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ساحر نے گاڑی آگے بڑھا دی۔ جبران نے اسلحہ کا ایک بیگ اُٹھا کر گود میں رکھ لیا۔

"ایک کم ہے۔ دو لے کر جاؤ۔" ساحر نے سرد لہجے میں کہا۔

جبران نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور اس کے چہرے کی سختی کو دیکھ کر چپ ہی رہا۔ اسے یقین ہو گیا تھا کہ آج مارنے یا مرنے کا دن ہے اور ساحر کسی کو رعائیت دینے والا نہیں تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ اسے بھی پورا زور لگانا ہے۔ جبران کو اُتار کر ساحر گاڑی کو ٹارگٹ سے تھوڑے فاصلے پہ لے گیا۔ اور گاڑی سے اتر کر بونٹ کھول کر چیکنگ کرنے کا ڈرامہ کرنے لگا۔ تقریباً دس منٹ بعد اسے واچ ٹرانسمیٹر پر جبران کا کاشن ملا۔ اس نے گاڑی کا بونٹ بند کیا اور گاڑی میں بیٹھ کر گاڑی سٹارٹ کی۔ وہ جو کرنے جا رہا تھا جبران یا کبیر ویسا سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ ساحر نے سیٹ بیلٹ باندھی۔ اتنے میں اسے دھماکے کی

آواز سنائی دی۔ اگلے لمحے ایک اور دھماکہ ہوا۔ فارم ہاؤس کے عقب میں آگ کا ایک الاؤ نظر آیا۔ وہاں شاید کچھ ایسا مواد تھا جو جلدی آگ پکڑ گیا تھا۔ ساحر نے ایک مشین گن ہاتھ میں پکڑی لیکن گاڑی ادھر ہی رکھی جیسے وہ کسی کا انتظار کر رہا ہو۔ اب فائرنگ کی آواز آنا شروع ہو گئی تھی۔ یکدم فارم ہاؤس کا دروازہ کھلا اور تین چار لوگ تیزی سے نکلے۔ اس سے پہلے کہ وہ عقبی طرف بھاگتے۔ ساحر کی مشین گن نے گولیاں اگلنا شروع کر دیں۔ اگلے لمحے وہ سب مردہ چھپکلیوں کی طرح گرتے گئے۔ ساحر نے مشین گن سائیڈ سیٹ پہ پھینکی اور ایکسیلیٹر پہ پاؤں دبا دیا۔ کارزوں کی آواز کے ساتھ جمپ لے کر آگے بڑھی۔ گاڑی جیسے جیسے گیٹ کی طرف بڑھ رہی تھی ساحر کا چہرہ سخت سے سخت ترین ہوتا جا رہا تھا۔ گیٹ سے چند میٹر پہلے اس نے گاڑی کی بریک لگائی اور ٹائر احتجاجاََ چیخے۔ اس نے جلدی سے ہینڈ گرنیڈ نکالا اور پن کھینچ کر گیٹ پہ دے مارا۔۔ اس کے ساتھ ہی دوسرا اور پھر تیسرا گرنیڈ مارا۔ گیٹ دھماکوں کے ساتھ ہی جگہ جگہ سے ٹوٹ گیا۔ لیکن ابھی بھی رستہ بند تھا۔ ساحر نے ہونٹ بھینچے اور ایکسیلٹر پہ پاؤں ایک بار پھر دبا دیا۔ گاڑی فل سپیڈ کے ساتھ گیٹ کی طرف بڑھی۔ گیٹ کے نزدیک اس نے گئیر

بدلا اور فل ریس چھوڑی۔۔ گاڑی اچھل کر گیٹ سے ٹکرائی اور گیٹ کو لیتی ہوئی فارم ہاؤس کے اندر پہنچ گئی۔ ساحر کار کو سیدھا بر آمدے کے پاس لے گیا۔ سکیورٹی والے یقیناً عقبی طرف مصروف تھے۔ ساحر نے مشین گن پکڑی، ایک بیگ کمر پہ لادا اور جھکے ہوئے انداز میں عمارت کی دیوار کے ساتھ ساتھ چلتا ہوا عقبی طرف گیا۔ عقبی دیوار اب پھٹ چکی تھی لیکن جبر ان کی مسلسل فائرنگ اور گرنیڈ پھینکنے کی وجہ سے دیوار کے پار جانے کی کسی کی ہمت نہیں پڑرہی تھی۔ ساحر نے ایسی پوزیشن سنبھالی کہ اگر کوئی چھت پہ بھی موجود ہو تو اسے ہٹ نہ کر سکے، پوزیشن سنبھالتے ہی اس نے گن کے ٹریگر پہ انگلی دبا دی اور ریٹ ریٹ کی آوازوں سے فارم ہاؤس گونج اُٹھا۔ سکیورٹی والے اس حملے سے بوکھلا گئے۔ وہ اب دونوں سائیڈ سے گھر چکے تھے۔ تھوڑی ہی دیر میں سکیورٹی کی جانب سے فائرنگ رک چکی تھی۔ ساحر بیگ سنبھالے واپس دوڑا۔ عمارت میں داخل ہوتے ہی وہ سیدھا چھت کی طرف بھاگا۔ چھت پہ ڈائریکٹ جانے میں خطرہ تھا اور ساحر اس سے بخوبی واقف تھا۔ اس نے سیڑھیوں کی اوٹ سے ہی ایک گرنیڈ چھت پہ پھینکا اور جیسے ہی دھماکہ ہوا، ساحر رول ہوتے ہوئے چھت پہ پہنچ گیا۔ چھت پہ

موجود دونوں گارڈز گرے پڑے تھے۔ وہ اُٹھنے کی کوشش میں تھے۔ ساحر نے مشین گن کا ٹریگر دبا دیا۔ ان کا خاتمہ کر کے اس نے جبران کو الرٹ رہنے کا کاشن دیا اور خود نیچے کی طرف دوڑ لگا دی۔ نیچے اس نے سارے کمرے چھان مارے لیکن کسی کمرے میں لڑکی نہ تھی۔ پھر اس نے تہ خانہ تلاش کرنا شروع کیا۔ تھوڑی ہی دیر بعد اسے تہ خانے کا رستہ مل گیا۔ تہ خانے کے اندر جا کر بھی ایک بڑا سا گیٹ تھا جس پہ تالہ لگا ہوا تھا۔ اور ساتھ ایک آفس نما کمرہ۔ ساحر نے اس کمرے کی تلاشی لی اور چند فائلز اس کے ہاتھ لگیں۔ اس نے فائلز پڑھنے کی بجائے بیگ میں ٹھونس لیں۔ پھر وہ اس گیٹ کی طرف بڑھا۔ گیٹ سے کان لگا کر اس نے اندر سے آواز سننے کی کوشش کی لیکن اندر مکمل خاموشی تھی۔ اس نے کندھے سے مشین گن اتاری اور تالے پہ فائر کر دیا۔ تالا ٹوٹنے پہ اس نے دروازہ کھولا تو اسے جھٹکا لگا۔ بہت تیز بدبو اس کے نتھنوں سے ٹکرائی تو اس نے ابکائی لیتے ہوئے ناک پہ ہاتھ رکھا۔ دروازہ کھول کر وہ چند لمحے تو سائیڈ پہ کھڑا رہا پھر وہ اندر داخل ہوا۔ اندر ایک اور جھٹکا اس کا منتظر تھا جو کہ پہلے والے سے بلکل مختلف تھا۔ اس کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ یہ منظر اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔

چند لمحوں کے لئے وہ سکتے میں آگیا۔ اس کا گن والا ہاتھ نیچے گر گیا اور آنکھوں میں نمی تیرنے لگی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ دھاڑیں مار کر روئے۔

☆

کرم داد زیادہ پیدل چلنے کی وجہ سے بیمار ہو کر بستر پہ پڑا تھا۔ اس کی بیوی پاس بیٹھی ہوئی تھی۔ دونوں سوچوں میں گم تھے۔ ان کے انداز سے لگتا تھا جیسے وہ زندہ ہی نہ ہوں۔ دروازے پہ دستک سن کر دونوں چونک گئے۔ دونوں نے ایک دوسرے کی طرف پریشان

نظروں سے دیکھا۔ رپورٹ کے بعد سے گاہے بگاہے انہیں پوچھ گچھ کا سامنا کرنا پڑتا تھا جس سے اب ان کی جان جاتی تھی۔ دروازے پہ دوبارہ دستک ہوئی۔ ایک لمبی آہ کے ساتھ رحمت اٹھی اور دروازہ کھولنے چلی گئی۔ دروازہ کھلنے کی آواز سن کر کرم داد نے باہر سے آوازیں سننے کی کوشش کی لیکن اسے کچھ سنائی نہ دیا۔ تھوڑی دیر بعد قدموں کی آواز سنائی دی۔ کمرے میں پہلے رحمت بی بی داخل ہوئی اس کے بعد دو نوجوان نداخل ہوئے۔

"بیٹا تم۔ تم نے تکلیف کیوں کی؟" کرم داد نے اٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"انکل آپ لیٹے رہیں۔ بیٹوں کو تو خود آنا چاہئے۔" ایک نوجوان نے جو کہ جبران تھا، کہا۔

"لل۔ لیکن ہمارے پاس تم لوگوں کو بٹھانے کے لئے کرسیاں بھی نہیں ہیں۔" کرم داد نے ہکلاتے ہوئے کہا۔ رحمت حیرانی سے ان تینوں کو باتیں کرتے سن رہی تھی کیونکہ وہ ساحر اور جبران کو نہیں جانتی تھی۔

"مَیں نے تمہیں ان دونوں کے بارے میں بتایا تھا نا۔ کیپٹل سٹی والے لڑکے ہیں یہ۔" کرم داد نے رحمت کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہم چارپائی پہ ہی بیٹھ جائیں گے۔" جبران نے کہا اور دونوں چارپائی پہ بیٹھ گئے۔

"انکل۔۔ کوئی پیش رفت ہوئی عصمت کے کیس میں؟" ساحر نے پوچھا۔

"کہاں بیٹا۔۔ سب ویسا ہی ہے۔۔ کوئی فائدہ نہیں ہوا کیس کا۔" کرم داد نے دکھ بھرے لہجے میں کہا۔

"اگر آپ کی بیٹی واپس آجائے تو اس معاشرے میں کیسے رہیں گے آپ؟" ساحر نے کہا۔

"معاشرے کا کیا ہے بیٹا۔۔ ہمیں اپنی بیٹی پہ یقین ہے۔ وہ غلطی نہیں کر سکتی، اس کے لئے ہم ہر مشکل سے گزر سکتے ہیں اور کچھ بھی کر سکتے ہیں۔" کرم داد نے کہا اور پھر چونک پڑا۔

"کیا مطلب۔۔ اگر بیٹی واپس آجائے تو؟" اس نے تیزی سے پوچھا۔

"ہم چاہتے ہیں کہ آپ لوگ صبر رکھیں اور خود کو سنبھالیں۔" ساحر نے کہا۔

"کک۔ کک۔۔ کیا ہوا؟" رحمت نے پریشان ہوتے ہوئے پوچھا۔

"آپ کی بیٹی زندہ ہے۔ خیریت سے ہے اور بلکل محفوظ ہے۔" ساحر نے کہا۔

"اوہ۔۔ اوہ۔۔ کہاں ہے میری بیٹی؟" رحمت نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"وہ باہر گاڑی میں ہے۔ ہم نہیں چاہتے تھے کے آپ اسے یکدم دیکھیں اور کوئی مسئلہ بن جائے۔" جبران نے کہا۔

"میری بیٹی۔۔" رحمت کہتی ہوئی اٹھ کے دروازے کی طرف بڑھی اور لہرا کر گرنے لگی۔ جبران جو دروازے کے پاس ہی تھا، نے بڑھ کر انہیں تھام لیا۔ کرم داد بے چینی سے اٹھ بیٹھا تھا۔ لیکن چارپائی سے کھڑا نہیں ہو پا رہا تھا۔

"میں لے کر آتا ہوں عصمت کو۔۔" ساحر نے اٹھتے ہوئے کہا۔ میاں بیوی دونوں بہت بے چین تھے۔ جبران نے رحمت کو پانی کا گلاس بھر کر دیا۔ انکی نظریں مسلسل دروازے کی طرف تھیں۔ پھر قدموں کی آواز سنائی دی۔ رحمت بے چینی سے اٹھی۔

"جبران۔۔ تم باہر آؤ۔۔" ساحر کی آواز آئی۔ اور جبران اٹھ کر باہر چلا آیا۔ صحن میں ساحر عصمت کے ساتھ کھڑا تھا۔ عصمت معصوم چہرے والی لڑکی تھی۔ اس کے انداز سے شرم و حیا جھلکتی تھی۔ جبران کے باہر

آتے ہی ساحر نے اسے اندر جانے کا اشارہ کیا۔ وہ تیزی سے اندر گئی۔ اور کمرے سے ماں بیٹی کے رونے کی آوازیں آنا شروع ہو گئیں۔ اس رونے میں دکھ اور خوشی کے ملے جلے جذبات تھے۔

"اچھا ہوا تم نے مجھے باہر بلا لیا۔۔ کھل کر غبار تو نکال لیں گے سب۔" جبران نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اور ساحر نے مسکرانے پہ اکتفا کیا۔

"بیٹا اندر آ جاؤ تم لوگ۔۔" رحمت کی آواز آئی۔ اور ساحر اور جبران دونوں اندر داخل ہو گئے۔

"بیٹا تم دونوں کا شکریہ کیسے ادا کریں ہم۔۔" کرم داد نے آنسوؤں سے تر چہرے اور تشکر بھری آواز میں کہا۔

"دو نہیں۔۔ ہم زیادہ ہیں۔۔ آپ کی دعائیں ہی ہمارا اثاثہ ہے۔" ساحر نے کہا۔

"اللہ تم سب کو خوش رکھے۔ تم نے ہماری عزت بچائی ہے۔" کرم داد نے کہا۔

"یہ ہمارا فرض ہے۔ اگر آپ کو اعتراض نہ ہو تو ہم چاہتے ہیں کہ آپ ہمارے ساتھ کیپٹل سٹی چلیں۔ یہ گھر بیچ کر وہاں آپ کو گھر لے دیں گے۔ عصمت کو جاب بھی مل جائیگی۔ آپ وہاں سکون سے رہ سکیں

گے۔ یہاں آپ کا رہنا اب بہت مشکل ہو جائے گا۔ ہم بھی آپ کے بیٹے ہیں اور آپ کا خیال رکھنا ہمارا فرض ہے۔" جبران نے کہا۔

"نہیں بیٹا۔۔ ہم تمہیں اور تکلیف نہیں دینا چاہتے۔ پہلے ہی تم نے ہمارے لئے بہت کچھ کیا ہے۔" رحمت نے کہا۔

"ماں جی ہمارے لئے یہ کام مشکل نہیں۔ آپ فکر نہ کریں۔ آپ سب آپس میں مشورہ کر لیں اور پھر ہمیں بتا دیں۔۔ ہم سب انتظام کر لیں گے۔ اور یہ موبائل رکھ لیں تا کہ ہم سے رابطہ ہو سکے۔" جبران نے موبائل دیتے ہوئے کہا۔

"جبران تم جاؤ گاڑی سے سامان لے آؤ۔" ساحر نے کہا اور جبران باہر نکل گیا۔

"کون سا سامان؟" کرم داد نے حیرانی سے پوچھا۔

"بیٹوں کی طرف سے ذمہ داری کا چھوٹا سا احساس ہے بس۔۔" ساحر نے نوٹوں کی دو گڈیاں نکال کر آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

"نن۔۔ نن۔۔ نہیں بیٹا۔ ہم یہ نہیں لے سکتے۔" کرم داد نے خودداری سے کہا۔

"ہم پرائے نہیں جو آپ اس طرح سلوک کریں۔ اور میں کونسا آپ کو دے رہا ہوں۔ یہ میری بہن کے لئے بھائیوں کی طرف سے چھوٹا سا تحفہ ہے۔" ساحر نے گڈیاں عصمت کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔ اتنے میں جبران بھی اندر آگیا تھا۔ اس نے سامان شاید صحن میں رکھ دیا تھا۔

"آپ ہمارے بارے میں کسی سے ذکر نہیں کریں گے۔ اس کے علاوہ عصمت کی بازیابی کا قصہ بھی کسی سے مت کہیں۔ سب سے کہہ دیں کہ سسرال والے ہی لے گئے تھے اور یہ بات معلوم ہونے پہ آپ عصمت کو خود ہی واپس لے آئے ہیں۔" ساحر نے کہا۔

"ٹھیک ہے بیٹا۔۔ویسے کس نے یہ حرکت کی تھی؟" کرم داد نے پوچھا۔

"یہ ابھی تک ہمیں بھی نہیں معلوم ہو سکا۔ جتنا معلوم ہوا ہے اس کے حساب سے یہ آپ کی اور ہماری سوچ سے بھی آگے کا کام ہے۔ کچھ تفصیل آپ کو عصمت بتا دے گی۔ لیکن آپ کا ساری باتیں نہ جاننا ہی بہتر ہے۔ اب آپ گھر سے بلا ضرورت مت نکلیں۔" ساحر نے ہدایت کرتے ہوئے کہا اور کرم داد نے ہاں میں سر ہلا یا۔

"عصمت کے سسرال والوں کی تفصیل بتائیں ہمیں۔" جبران نے کہا۔

"بیٹا وہ محلہ مغل پور میں رہتے ہیں۔ سارا خاندان اکٹھا ہی رہتا ہے۔ عصمت کے سسر کا نام بشیر احمد ہے اور شوہر کا نام الیاس احمد ہے۔ وہ کسی ہوٹل میں ہیڈ ویٹر ہے۔ کیوں کیا ہوا؟" کرم داد نے کہا۔

"کچھ نہیں بس احتیاطََ پوچھا ہے کہ کبھی ضرورت پڑے تو معلوم ہو۔ اب ہمیں اجازت دیں۔ اور جو ہم نے درخواست کی ہے اس پہ ضرور غور کیجئے گا۔" ساحر نے اٹھتے ہوئے کہا۔ اور عصمت کے سر پہ ہاتھ رکھ کر وہ دونوں باہر کو چل دیے۔ صحن کا ایک کونہ کھانے پینے کے سامان سے بھرا پڑا تھا۔ ان کے نکلنے کے بعد رحمت بی بی اور عصمت باہر نکلیں تو حیرت سے ان کے منہ کھل گئے۔ اتنا سامان شاید ان کے گمان میں بھی نہ تھا۔

"اے اللہ ان بچوں کو ہمیشہ اپنی حفاظت میں رکھ۔" رحمت نے جھولی اٹھا کر دعا مانگی۔

"ماں ان بھائیوں نے تو مجھے اکبر بھائی بھی بھلا دیا۔ ایسا پیار تو مجھے میرے سگے بھائی نے نہیں دیا۔ کاش یہ میرے سگے بھائی ہوتے۔" عصمت نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

"اللہ ان کی عزتوں کو سلامت رکھے۔" رحمت نے دعا کی اور دونوں

سامان کمرے میں رکھنے میں لگ گئیں۔ جیسے جیسے سامان کمرے میں پہنچ رہا تھا کرم داد کے آنسو بڑھتے جا رہے تھے۔ وہ بار بار اللہ کا شکر ادا کر رہا تھا اور ساحر اور اس کے ساتھیوں کو دعائیں دے رہا تھا۔

"یار یہ کبیر کدھر گم ہو گیا ہے، اس کا فون ہی نہیں لگ رہا؟" ساحر نے باہر نکلتے ہوئے کہا۔

"مجھے کیا خبر۔۔ کہیں انجوائے کر رہا ہو گا۔" جبران نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

"اسے میں نے کام پہ لگایا ہوا ہے۔ تمہاری طرح فارغ نہیں۔ کسی مصیبت میں نہ پھنس گیا ہو۔" ساحر نے کہا۔

"وہ خود ایک مصیبت ہے۔۔ جو چھیڑے گا وہ خود ہی پھنسے گا۔" جبران نے کہا۔

"عصمت کے سسرال چلتے ہیں۔ ابھی یہ کام ختم نہیں ہوا۔" ساحر نے سنجیدگی سے کہا اور جبران نے سر ہلا دیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ مغل پور پہنچے اور پوچھتے پوچھتے وہ عصمت کے سسرال پہنچ گئے۔ لیکن وہاں لوگوں کا ہجوم دیکھ کر وہ ٹھٹک گئے۔ پوچھنے پہ معلوم ہوا کے گزشتہ رات الیاس

کی ہارٹ اٹیک سے موت ہو گئی۔ ساحر اور جبران سناٹے میں آ گئے۔ ساحر نے اس کے والدین سے تعزیت کی اور پولیس کا کارڈ دکھا کر الیاس کا کمرہ دکھانے کا کہا۔ بشیر احمد اسے اندر لے گئے۔ ساحر نے کمرے کی تفصیلی تلاشی لے۔ بیڈ کی سائیڈ پہ زمین پہ ہاتھ رکھ کے وہ جھک کر نیچے دیکھنے لگا تو اس کے منہ سے سسکاری نکل گئی۔ ہاتھ ہٹا کر دیکھنے پر اسے کانچ کا ٹکڑا ملا۔ ڈھونڈنے پہ بھی اس ٹکڑے کے علاوہ کچھ نہ ملا۔ اس نے وہ کانچ کا ٹکڑا ایک پلاسٹک کی تھیلی منگوا کر اس میں رکھا۔

"الیاس کی ویسے صحت کیسی رہتی تھی؟" ساحر نے پوچھا۔

" بلکل ٹھیک تھا جناب۔ اور یہ مسئلہ بھی پہلی بار ہی بنا ہے۔" بشیر نے جواب دیا۔

"اس کی پوسٹ مارٹم رپورٹ مل سکتی ہے؟" ساحر نے کہا۔

"جی میں لے آتا ہوں۔" بشیر نے کہا۔

"رپورٹ کی تصویریں بنا لینا۔ اور الیاس کے بھائی سے اس کے دوستوں کے بارے میں معلوم کرو۔" ساحر نے جبران سے کہا۔ اتنے میں بشیر رپورٹ لے کر آ گیا۔ جبران نے تصویریں بنائیں اور رپورٹ ساحر کو دے کر نکل گیا۔ ساحر نے رپورٹ کا باریک بینی سے مطالعہ کیا۔

"معاف کیجئے گا۔۔ الیاس نشہ آور یا کوئی اور دوائی تو استعمال نہیں کرتا تھا؟" ساحر نے پوچھا۔

"نہیں جناب۔ میرے علم میں تو ایسا کچھ نہیں۔ اس کے دوستوں میں بھی ایسا کوئی نہیں۔ اور نہ میں نے کبھی کسی سے الیاس کے بارے میں ایسی بات سنی ہے۔" بشیر نے بغیر محسوس کئے جواب دیا۔

"ہماری رپورٹ کے مطابق اس کا اپنی بیوی سے جھگڑا چل رہا تھا۔ کہیں ایسا تو نہیں کے اس کے غم میں اس نے کچھ کھا لیا ہو۔" ساحر نے کریدتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں جناب۔۔ یہ سچ ہے کہ اس کی بیوی اسے چھوڑ کے چلی گئی تھی لیکن الیاس

اس لڑکی کے کردار کی وجہ سے اسے واپس لانا بھی نہیں چاہتا تھا۔ وہ خوش تھا۔" بشیر نے صاف جھوٹ بولتے ہوئے کہا۔

"لیکن لڑکی کے والدین کے مطابق تو الیاس نے جہیز کی وجہ سے بیوی کو تشدد کا نشانہ بنایا تھا۔

وہ لڑکی گھر سے لا پتہ ہے۔ اس کے اغوا کا مقدمہ بھی الیاس اور اس کے بھائی کے خلاف ہے۔" ساحر نے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔ عصمت کے

کردار کی بات سن کر اس کا جی چاہا کے وہ بشیر کو اٹھا کر دیوار سے دے مارے لیکن وہ برداشت کر رہا تھا۔

"یہ سب ڈرامے ہیں۔ وہ اپنے شوہر کے پاس نہیں رہ سکی تو اس گھر میں کیسے رہتی۔ خود ہی بھاگی ہو گی۔" بشیر نے نفرت سے جواب دیا۔

"اوکے۔۔ تھینک یو۔۔ اب میں چلتا ہوں۔" معاملہ ساحر کی برداشت سے باہر ہو رہا تھا۔ وہ دونوں آگ پیچھے چلتے ہوئے گھر سے نکلے۔ پنڈال میں سے ساحر نے جبران کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا۔ پھر وہ دونوں گاڑی کی طرف بڑھ گئے۔

"کیا ہوا؟"۔۔ جبران نے ساحر کے چہرے کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"گھٹیا لوگ ہیں یہ سب۔۔ الیاس کو اور اپنے آپ کو بے گناہ دکھانے کے لئے لڑکی کے کردار کو ڈھال بنا رہے ہیں۔" ساحر نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"یہاں قدم قدم پہ یہی ہو رہا ہے۔ کسی کو سروکار نہیں کے کیا درست ہے اور کیا غلط۔" جبران نے جواب دیا۔

"اب کبیر کی گمشدگی بھی مشکوک ہے۔ اسے بھی ڈھونڈنا ہے اور الیاس جہاں کام کرتا تھا اس ہوٹل بھی جانا ہے۔" ساحر نے کہا۔

"میں کبیر کو تلاش کرتا ہوں تم ہوٹل ہو آؤ۔" جبران نے کہا اور ساحر نے ہاں میں سر ہلایا۔

عصمت سے انہیں اتنا ہی معلوم ہوا تھا کہ جب اس کے والدین گھر سے باہر تھے تو اس کا شوہر الیاس۔۔۔ وہ گھر آیا اور باتوں ہی باتوں میں اس نے عصمت کی ناک پہ کوئی رومال رکھا، اس کے بعد عصمت کو اس تعفن زدہ تہ خانے میں ہوش آیا۔ اس سے زیادہ عصمت کو کچھ بھی معلوم نہیں تھا۔

☆

کبیر کی آنکھ کھلی تو اس نے خود کو ایک ستون سے بندھے ہوئے پایا۔ اس کے دونوں ہاتھ پیچھے باندھ کر پھر اسے ستون کے ساتھ باندھا گیا تھا۔ گردن کے نیچے سے لے کر کمر تک رسیوں میں جکڑا ہوا تھا۔ دونوں پاؤں کو الگ رسی کے ساتھ آپس میں باندھا گیا تھا۔ اس نے کمرے کا معائنہ کیا۔ کمرے میں تشدد کرنے کے لئے کافی ہتھیار پڑے تھے۔ ستون اور جسم کے درمیان ہاتھ ہونے کی وجہ سے رسی کھلنے کے چانسز تھے۔ اس نے کلائی پہ باندھی ہوئی رسی کی ناٹ ڈھونڈنا شروع کی۔ اسی وقت کمرے کی طرف بڑھتے قدموں کی آواز سنائی دی۔ اس کے ہاتھ تیزی سے چلنے لگے۔ دروازہ کھلا۔ ایک نقاب پوش اندر داخل ہوا۔ اس کے پیچھے ایک دراز قد پہلوان جو شکل سے قصائی لگتا تھا اندا داخل ہوا اور دروازہ بند کر دیا۔ نقاب پوش کرسی پہ بیٹھ گیا اور وہ پہلوان سائیڈ پہ ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔

"تمہارا نام کیا ہے نوجوان؟" نقاب پوش کی سرد آواز سنائی دی۔

"کبیر ۔۔ تم نے مجھے کیوں قید کر رکھا ہے؟" کبیر نے پر سکون لہجے میں پوچھا۔

"سوال کرنے کا حق صرف مجھے ہے مسٹر کبیر ۔۔ تم اغوا کے کیس کے لئے پوچھ گچھ کیوں کر رہے ہو؟" نقاب پوش نے سخت لہجے میں پوچھا۔

"میری ایک عزیزہ لا پتہ ہے۔ اس کو ڈھونڈ رہا ہوں۔" کبیر نے جواب دیا۔ ہاتھوں پہ بندھی رسی وہ کھول چکا تھا۔ لیکن جسم پہ بندھی رسی رکاوٹ تھی۔ اور ان لوگوں کے سامنے وہ رسی کو جھٹکے بھی نہیں دے سکتا تھا۔

"تمہارا تعلق کس ادارے سے ہے؟" نقاب پوش نے پوچھا۔

"پولیس سے ۔۔ میں انسپکٹر ہوں۔" کبیر نے جواب دیا۔

"تم جھوٹ بول رہے ہیں۔ شہر کے سارے پولیس والوں کو میں جانتا ہوں۔" نقاب پوش نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"میں فیروز نگر سے آیا ہوں۔ اب جب تم نے اتنے سوالات پوچھ لئے ہیں تو تم بھی بتا دو کہ تم کون ہو اور مجھے کیوں پکڑ رکھا ہے؟" کبیر نے پوچھا۔

"تمہارا حوصلہ قابلِ داد ہے۔ اس حالت میں بھی سوال کر رہے ہو۔ تمہیں اپنی شناخت نہیں بتا سکتا۔ لیکن تم جو پوچھ گچھ کر رہے تھے اس سے کچھ لوگوں کو پریشانی ہو سکتی ہے اس لئے تمہیں اٹھالیا گیا۔ اب جبکہ تم سرکاری آدمی ہو تو تمہارا کوئی حل سوچنا پڑے گا۔" نقاب پوش نے کہا۔

"لالو۔۔ اسے بے ہوش کر دو۔۔" نقاب پوش نے کہا اور اٹھ کر باہر نکل گیا۔ لالو نے آگے بڑھ کر کبیر کی کنپٹی پہ ہک مارنا چاہا۔۔ کبیر نے دونوں ٹانگیں اٹھا کر اس کے سینے پہ دی ماری۔۔ وہ اڑتا ہوا نقاب پوش والی خالی کرسی پہ جا گرا۔ کبیر نے تیزی سے رسی کو جھٹکے دینے شروع کئے۔ لالو اٹھا اور غصے سے کبیر کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ تیزی سے کبیر کی طرف بڑھا اور سائیڈ پہ کھڑے ہو کر کبیر کو ایک زوردار تھپڑ جڑ دیا۔

"نامرد کہیں کے۔۔ مجھے کھول کر دکھا۔۔ پھر تجھے بتاؤں۔۔" کبیر نے اسے غصے دلانے کی غرض سے کہا۔ لالو کا تھپڑ دوبارہ بلند ہوا۔ اس سے پہلے کے تھپڑ کبیر کے چہرے پہ لگتا کبیر نے دونوں ٹانگیں ہوا میں اٹھا کر چہرے کے سامنے کیں۔ لالو کا ہاتھ کبیر کی ٹانگوں کے درمیان آ گیا۔ کبیر نے اس کے ہاتھ کو ٹانگوں میں جکڑ کر اپنی طرف جھٹکا دیا۔۔ لالو

سنبھل نہ سکا اور جھکے ہوئے انداز میں ستون سے ٹکرایا۔ کبیر نے اس کا بازو چھوڑنے کی بجائے اس پہ مخالف سمت میں زور ڈالنا شروع کر دیا۔ کٹک کی آواز کے ساتھ بازو ٹوٹنے کی آواز سنائی دی۔ بازو ٹوٹتے ہی لالو کی چیخ نکلی اور وہ کبیر کے قدموں میں گر گیا۔ کبیر نے دونوں پاؤں اٹھا کر اس کی کنپٹی پہ دے مارے۔ لالو اس سے بے ہوش تو نہ ہوا لیکن نیم بے ہوشی کی حالت میں پہنچ گیا۔ کبیر نے جسم کے گرد بندھی رسی کو جھٹکے دینے شروع کر دیے۔ تھوڑی سے رسی ڈھیلی ہونے پہ وہ تیزی سے رسی کے اندر ہی ستون کی پچھلی سائیڈ پہ گیا اور رسی کی گانٹھ کھولی۔ جلدی سے ساری رسی کھول کر وہ پاؤں کھولنے بیٹھ گیا۔ اس نے لالو کے پاؤں باندھنے پہ اکتفا کیا کیونکہ لالو کا بازو تو ناکارہ ہو چکا تھا جس وجہ سے رسی کھولنا اس کے لئے بہت مشکل تھا۔ کبیر تیزی سے باہر کی طرف لپکا۔ یہ تہ خانہ نہیں بلکہ گراؤنڈ فلور کا ہی کمرہ تھا۔ کبیر کو ایک کمرے سے آواز سنائی دی۔ یہ اسی نقاب پوش کی آواز تھی جو کبیر سے پوچھ گچھ کر رہا تھا۔ وہ فون پہ کسی سے بات کر رہا تھا۔ کبیر چلتا ہوا دروازے کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔ اب اسے اس شخص کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔

"اب تک لالو کو آجانا چاہیے تھا۔ پتہ نہیں کدھر رہ گیا ہے۔" اس کی بڑبڑاہٹ سنائی دی اور پھر قدموں کی آواز دروازے کی طرف آتی ہوئی سنائی دی۔ کبیر دروازے کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ جیسے ہی دروازہ کھلا کبیر کی لات دروازہ کھولنے والے کے منہ پہ پڑی اور وہ اوغ کرتا ہوا پیچھے ہٹتا گیا۔ کبیر اس کے سر پہ پہنچ گیا۔ کبیر کا گھٹنا پوری قوت سے اس کے پیٹ میں لگا اور وہ رکوع کے بل جھکتا گیا۔ کبیر کی کوہنی کی نوک اس کی کنپٹی پہ لگی اور وہ کبیر کے قدموں میں ڈھیر ہو گیا۔ کبیر اسے اٹھا کر اسی کمرے میں لے آیا جس کمرے میں اسے قید کیا گیا تھا۔ اس نے بے ہوش شخص کو کرسی پہ باندھا۔ لالو ابھی تک اسی حالت میں پڑا تھا۔ کرسی پہ باندھنے کے بعد کبیر نے اس شخص کے منہ پہ تھپڑ مارنے شروع کر دیے۔ اس کی چہرے پہ نفرت بھری تھی۔ چند تھپڑوں کے بعد ہی وہ چیخ کر ہوش میں آ گیا۔

"اپنا نام بتاؤ۔" کبیر نے سرد لہجے میں پوچھا۔

"وا۔ وا۔ واجد۔ مت مارو مجھے۔۔" اس نے چیختے ہوئے کہا۔

"تمہارا باس کون ہے؟" کبیر نے کہا۔ اب وہ پیچھے ہٹ گیا تھا۔

"میں نہیں جانتا۔" واجد نے سنبھلتے ہوئے کہا۔ کبیر تیزی سے آگے بڑھا۔ اس نے واجد کے

دائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی پکڑی اور بے دردی سے مخالف سمت میں موڑ کر توڑ دی۔ واجد کی چیخ نکل گئی۔ کبیر نے اس سے اگلی انگلی پکڑی اور وہ بھی توڑ دی۔ اس کے بعد اس نے تیسری انگلی پکڑ کر موڑنی شروع ہی کی تھی کے واجد گڑگڑانے لگا۔

"باس کا نام۔۔؟" کبیر نے سرد لہجے میں پوچھا۔

"ج۔ج۔۔۔ج۔ جابر۔۔وہ مجھے مار دے گا۔" واجد نے کہا۔ تکلیف سے اس کی آنکھوں سے پانی جاری تھا۔

"کہاں ملے گا یہ جابر؟" کبیر نے پوچھا۔

"اس کے کئی اڈے ہیں۔ کوئی پتہ نہیں ہوتا وہ کہاں ملے۔" واجد نے کہا۔

"جس جگہ وہ عموماً مل جاتا ہے وہ بتاؤ اور اس کا موبائل نمبر بتاؤ۔" کبیر نے کہا۔

"سٹی ہوٹل۔۔وہ مالک ہے ہوٹل کا۔" ساتھ ہی واجد نے اس کا نمبر بتا دیا۔

"اس سے ملنے کا کیا طریقہ ہے؟ اس کا حلیہ بھی بتاؤ؟" کبیر نے کہا۔

"وہ مجھے خود بلاتا ہے تبھی ملاقات ہوتی ہے۔ اپنی مرضی سے آج تک میں نہیں گیا۔" واجد نے جواب دیا اور جابر کا حلیہ بتا دیا۔

"تمہیں میرے بارے میں کیسے پتہ چلا؟" کبیر نے پوچھا۔

"جس تھانے سے تمہیں معلومات ملی وہاں کا ایک چپڑاسی ہمارا آدمی ہے، اس نے مخبری کی تھی۔" واجد نے جواب دیا۔ دو انگلیاں تڑوا کے اب وہ تیر کی طرح سیدھا ہو گیا تھا۔

"جابر کے اڈوں کے بارے میں بتاؤ؟" کبیر نے پوچھا۔

"مجھے ہوٹل کے علاوہ ایک جگہ کا ہی پتہ ہے لیکن وہ فارم ہاؤس کل تباہ کر دیا گیا ہے۔" واجد نے جواب دیا۔

"کس نے تباہ کیا وہ فارم ہاؤس؟" کبیر نے چونک کر پوچھا۔

"تمہیں فارم ہاؤس کا پتہ تھا؟" واجد نے حیران ہو کر کہا۔ وہ کبیر کے انداز سے کھٹک گیا تھا۔

"ہاں۔ جو پوچھا ہے وہ بتاؤ۔" کبیر نے کہا۔

"اس واردات کی کوئی سمجھ نہیں آئی۔ سی سی ٹی وی کیمرہ میں ایک ہی شخص دکھائی دیتا ہے۔ لیکن اس کی شناخت نہیں ہو سکی۔ واردات کا طریقہ ذہانت آمیز اور بہادری سے بھرپور تھا۔ اندازہ ہے کہ فارم ہاؤس کی عقبی طرف سے سکیورٹی کا الجھا کر وہ اندر داخل ہوا۔ شاید پانچ یا چھ لوگ تھے۔

"وہ صرف دو لوگ تھے۔" کبیر نے پہلی بار مسکراتے ہوئے کہا۔ اسے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ ساحر اور جبران بروقت پہنچ کر اپنا کام مکمل کر چکے تھے۔

"ناممکن۔۔ دو لوگوں کے بس کی یہ بات نہیں۔" واجد نے بے یقینی سے کہا۔

"جابر کے دھندے میں اور کون کون شامل ہے؟" کبیر نے اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔

"باس کے ساتھ کوئی سرکاری آدمی بھی شامل ہے، لیکن اس کا مجھے نہیں پتہ اب مجھے چھوڑ دو پلیز۔۔ میں تمہیں سب کچھ بتا دیا ہے۔" واجد نے کہا۔

"آخری سوال۔۔ جابر کو میرے بارے میں بتایا ہے تم نے؟" کبیر نے پوچھا۔

"نہیں۔ اس بارے میں باس کو ابھی کچھ نہیں پتہ۔" واجد نے کہا۔

"اوکے۔۔ تم جس کام میں شامل ہو۔۔ تم جیسے سانپوں کو زندہ چھوڑنا ملک کا نقصان ہے۔۔ اور میں یہ غلطی نہیں کر سکتا۔" کبیر نے کہا اور آگے بڑھ کر اس کی گردن پکڑی اور جھٹکے سے توڑ دی۔ اپنا سامان اٹھایا وار سیل فون نکالا لیکن فون کی بیڑ یڈیڈ تھی۔ لالو کی گردن بھی توڑ کر وہ آفس نما کمرے میں پہنچا۔ فون میموری والا تھا۔ اس نے اس میں سے فون نمبر ایک صفحے پہ لکھے۔ آفس کی تلاشی لے لیکن کچھ بھی کام کا نہ ملا۔ اس نے احتیاطً رہائش گاہ کا چکر لگایا۔ یہ جگہ شہر سے باہر تھی۔ اس نے وہاں موجود کار نکالی اور پھر گیٹ کو بند کر کے شہر کی طرف چل پڑا۔ سیل فون نکال کر اس نے گاڑی میں لگے چارجر سے لگا دیا۔ وہ جلد سے جلد ساحر سے رابطہ کرنا چاہتا تھا۔ اس نے احتیاطً اس کوٹھی کے فون سے ساحر کو کال نہیں کی تھی۔ اب اس کا رخ سٹی ہوٹل کی طرف تھا۔

☆

جابر سٹی ہوٹل کے اپنے آفس میں موجود تھا۔ اس کی پیشانی شکن آلود تھی۔ اس کا ایک فارم ہاؤس، وہاں موجود سکیورٹی سٹاف کے پندرہ لوگ، سب کچھ تباہ ہو چکا تھا۔ شہر سے باہر ہونے کی وجہ سے ٹی

وی پہ خبر آنے میں وقت لگ گیا۔ خود جابر نے بھی بہت دیر بعد اپنے فارم ہاؤس رابطہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ جب کسی نے اس کی کال اٹنڈ نہ کی تو اس نے شہر سے اپنے آدمی کو بھیجا۔ اس نے جاتے ہی ساری رپورٹ دی۔ جابر نے تہ خانے کا پوچھا تو اس نے بتایا کہ تہ خانے کا دروازہ کھلا ہے اور ہے بھی خالی۔ اب وہ سوچوں میں گم تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے ریسیور اٹھایا اور ایک نمبر ڈائل کرنا شروع کیا۔ دوسری طرف بیل بجتی رہی لیکن کسی نے کال ریسیو نہ کی۔ جابر نے جھلا کر ریسیور پٹخ دیا۔ اچانک اسے سیل فون کا خیال آیا تو اس نے دوبارہ ٹرائی کیا۔ لیکن سیل فون پہ بھی کال اٹنڈ نہ ہوئی تو جابر کا چہرہ حیرانی سے بھر گیا۔ اس نے ریسیور اٹھا کر ایک اور نمبر ڈائل کیا۔

"فضل سپیکنگ۔۔۔" ایک کرخت آواز سنائی دی۔

"جابر سپیکنگ۔۔۔" جابر نے سخت لہجے میں کہا۔

"یس باس۔۔۔" فضل کی مودبانہ آواز سنائی دی۔

"فضل۔۔۔ میں کافی دیر سے واجد کو کال کر رہا ہوں۔۔۔ وہ اٹنڈ نہیں کر رہا۔ کسی کو بھیج کر پتہ کراؤ۔ پھر مجھے رپورٹ کرو۔" جابر نے تحمکانہ لہجے میں کہا۔

"یس باس۔۔میں ابھی بھیجتا ہوں۔" فضل نے کہا اور جابر نے کال بند کر دی۔ پندرہ منٹ بعد فون کی گھنٹی بجی تو جابر نے ریسیور اٹھایا۔

"جابر سپیکنگ۔۔" جابر نے سخت لہجے میں کہا۔

"باس۔۔واجد اور لالو دونوں، اپنی رہائش گاہ پہ مردہ حالت میں ہیں۔" فضل کی پریشان آواز سنائی دی۔

"کیا مطلب ۔۔؟" جابر کے منہ سے نکلا۔ اسے ہر طرف سے بری خبریں ہی مل رہیتھیں۔

"باس۔۔واجد کرسی پہ بندھا ہوا پایا گیا ہے۔ اُس پہ تشدد کیا گیا ہے۔ اس کی دو انگلیاں ٹوٹی ہوئی ہیں۔ جبکہ لالو کا ایک بازو ٹوٹا ہوا ہے۔ وہ ایک ستون کے ساتھ گرا ہوا تھا۔ ستون کے ساتھ رسیوں کی موجودگی سے لگتا ہے کہ انہوں نے کسی کو باندھ رکھا تھا۔ لیکن وہ اُن دونوں کے ہاتھ سے نکل گیا۔ دونوں کو گردن توڑ کر ہلاک کیا گیا ہے۔" فضل نے تفصیلی رپورٹ دی۔

"ویری بیڈ۔۔لاشیں اٹھوا لو۔۔پولیس تک یہ بات نہیں پہنچنی چاہئے۔" جابر نے کہا۔

"کیا کوئی نیا مسئلہ ہے باس؟" فضل نے پوچھا۔

"لگ تو ایسے ہی رہا ہے۔ لیکن ابھی میں مکمل اندھیرے میں ہوں۔" جابر نے کہا اور ریسیور

رکھ کر اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑ لیا۔ اس کے فارم کے ساتھ ساتھ اب تک اس کے سترہ آدمی مر چکے تھے۔ اور کاروباری نقصان الگ تھا۔ لیکن مارنے والوں کا ابھی تک کچھ پتہ نہ تھا۔ اس کے دشمنوں میں اتنی ہمت نہ تھی کہ اس پہ وار کرتے۔ پولیس میں بھی اس کے خبری موجود تھے۔ وہاں سے اگر کوئی آپریشن ہوتا تو اس تک خبر پہنچ چکی ہوتی۔ وہ پریشان تھا کہ باس کو بتائے یا ابھی صبر کرے اور جوابی کاروائی کر کے بتائے۔ باس سب کچھ برداشت کر لیتا تھا مگر کاروبار میں گڑبڑ نہیں۔ جابر اگر اسے رپورٹ دیتا کے نقصان ہو گیا ہے اور نقصان کرنے والوں کا کچھ اتہ پتہ نہیں تو اس کو بچانے والا کوئی نہ ہوتا۔ اس وجہ سے اس نے فوری رپورٹ نہ دینے کا فیصلہ کیا۔ اس نے دوبارہ فضل کو کال ملائی۔

"فضل سپیکنگ۔۔۔" فضل کی آواز آئی۔

"جابر سپیکنگ۔۔ فضل واجد کی رہائش گاہ کی تفصیلی تلاشی لو۔ اور آس پاس کے لوگوں سے پوچھ گچھ کرو۔ مجھے اس کے قاتل کا کلیو چاہیئے۔" جابر نے سختی سے کہا۔

"یس باس۔۔ میں خود جاتا ہوں۔" فضل نے کہا اور جابر نے کال بند کر دی۔ اب وہ کچھ سکون میں لگ رہا تھا۔ اسے یقین تھا کے کوئی نہ کوئی راستہ ضرور نکل آئے گا۔ تبھی سیاہ رنگ کے فون سیٹ کی گھنٹی بجی۔ یہ فون ہوٹل کے چیئرمین کے طور پہ استعمال ہوتا تھا۔

"یس۔۔" اس نے نرمی سے کہا۔

"سر۔۔ آپ سے ملنے کبیر صاحب آئے ہیں۔" ایک لڑکی کی آواز آئی۔

"کبیر۔۔۔ کون ہے وہ۔۔؟" جابر نے چونکتے ہوئے پوچھا۔

"سر وہ کہتے ہیں کے واجد نے انہیں بھیجا ہے۔ وہ کہتے ہیں کے اس میں آپ کا ہی فائدہ ہے، کوئی خاص پیغام ہے۔" لڑکی نے کہا۔ لڑکی اس بات سے توانجان تھی کہ واجد کون ہے اور اس کے باس کا کاروبار کیا ہے۔

"اوکے ۔۔ بھیج دو۔" جابر نے سیدھے ہوتے ہوئے کہا اور کال بند کر دی۔ اس کا ذہن کبیر نامی شخص کے آنے پہ الجھ گیا۔ وہ اس آنے والے شخص کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ کون ہو سکتا ہے۔ واجد کا نام آنے کی وجہ سے معاملہ مشکوک ہو گیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد دروازے پہ دستک ہوئی۔ اس کے اندر بلانے پر ایک لمبا تڑنگا اور خوش شکل نوجوان اندر داخل ہوا۔

"میرا نام کبیر ہے۔" اس نوجوان نے تعارف کراتے ہوئے کہا۔

"فرمایئے۔۔ میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟" جابر نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"شہر سے باہر جو فارم ہاؤس تباہ ہوا ہے، وہ آپ کی ملکیت ہے؟" کبیر نے پوچھا۔

"نہیں۔۔ میرا کوئی فارم ہاؤس نہیں۔" جابر نے تیز لہجے میں کہا۔

"لیکن آپ کے ماتحت کام کرنے والے واجد نے تو یہی بتایا تھا۔" کبیر نے پرسکون انداز میں کہا۔ اس کے انداز سے لگ رہا تھا جیسے وہ اپنے گھر میں بیٹھا ہو۔

"تو واجد اور لالو کو تم نے مارا ہے۔۔" جابر نے زہریلے انداز میں کہا تو کبیر چونک گیا۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کرتا جابر نے میز کے ساتھ لگا ہوا بٹن پریس کیا۔ کبیر کرسی سمیت زمین کے اندر غائب ہو گیا۔ اس کے غائب ہوتے ہی زمین دوبارہ برابر ہو گئی۔ اس نے اٹھ کے باقی دو کرسیوں کو ایسے ایڈجسٹ کیا کے تیسری کی کمی نہ محسوس ہو۔ اور واپس اپنی چیئر پہ بیٹھ گیا۔ ابھی وہ بیٹھا ہی تھا کے سفید فون کی گھنٹی بجی۔

"یس۔۔" اس نے کرخت لہجے میں کہا۔

"فضل بول رہا ہوں باس۔۔ ایک شخص نے واجد کی کار میں ایک نوجوان کو نکلتے ہوئے دیکھا تھا۔ اس نے سرسری نظر میں ہی دیکھا تھا۔" فضل نے کہا اور ساتھ حلیہ بھی بتایا۔

"اوکے۔۔" جابر نے کال بند کرتے ہوئے کہا۔ فضل کا بتایا ہوا حلیہ کبیر سے میل کھاتا تھا۔ اسی وقت سیاہ فون کی بیل بجی۔

"یس۔۔" اس نے نرم لہجے میں کہا۔

"سر کوئی سرکاری افسر آئے ہیں۔ آپ سے ارجنٹ ملنا چاہتے ہیں۔ کہتے ہیں کے ان کے پاس کسی فارم ہاؤس کے حوالے سے اہم خبر ہے جو آپ کے لئے بہت اہم ثابت ہو سکتی ہے اور وہ

کہتے ہیں کہ فون پہ بتانا مناسب نہیں تھا۔ "لڑکی کی آواز آئی۔

"اوکے۔ بھیج دو۔۔" جابر نے سوچتے ہوئے کہا۔ تھوڑی دیر بعد ایک وجیہہ اور بارعب نوجوان اندر داخل ہوا۔

"السلام علیکم جابر صاحب۔۔" نوجوان نے بے تکلفی سے سلام کیا۔

"وعلیکم سلام۔۔ کون ہیں آپ؟ پہلے کبھی نہیں دیکھا آپ کو۔" جابر نے کہا۔

"یہ تو مجھے آج تک پتہ نہیں چلا۔ آپ کو پتہ ہے کے آپ کون ہیں؟" نوجوان نے چہکتے ہوئے کہا۔

"سوری۔۔ میرے پاس فضول باتوں کے لئے وقت نہیں۔" جابر نے سخت لہجے میں کہا۔

"یہی تو المیہ ہے۔۔ جو بات سب سے اہم ہے وہی آپ کے لئے فضول ہے۔۔ اپنی پہچان ہی اصل معاملہ ہے۔۔۔ ویسے کون سی باتوں کے لئے آپ کے پاس وقت ہے۔۔ وہ باتیں کر لیتے ہیں۔ کیونکہ میرے پاس ہر بات کے لئے وقت ہی وقت ہے۔" نوجوان نے لاپرواہی سے کہا۔

"آپ نے کاؤنٹر پہ کچھ معلومات دینے کی بات کی تھی؟" جابر نے کہا۔

"اوہ۔۔ہاں یاد آیا۔۔بات دراصل یہ ہے۔۔" نوجوان پراسرار انداز میں میز پہ جھکا اور جابر بھی لاشعوری طور پر آگے جھکا۔

"پٹرول کا ریٹ پھر سے بڑھ گیا ہے۔" نوجوان نے سرگوشی کے انداز میں کہا۔ جابر کو پہلے تو سمجھ نہیں آئی۔ پھر جب اسے سمجھ آئی کہ نوجوان اس کی ٹانگ کھینچ رہا ہے تو وہ یکدم بھڑک گیا۔

"دفع ہو جاؤ میرے آفس سے۔" اس نے چیختے ہوئے کہا۔

"اب آپ فضول بات کر رہے ہیں۔" نوجوان نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

"نکلو میرے آفس سے فوراً۔" جابر آپے سے باہر ہو گیا۔

"کبیر کہاں ہے؟" نوجوان نے سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا۔ اس کے چہرے پہ چٹانوں جیسی سنجیدگی تھی۔

"کک۔کون کبیر۔۔میں کیس کبیر کو نہیں جانتا۔" جابر نے کہا۔ اس کا ہاتھ تیزی سے بٹن کی طرف بڑھا۔

"کبیر کُون نہیں ہے۔۔ انسان ہے۔ ہٹا کٹا انسان۔۔۔ سوری کُتّا تو شاید ایک مقامی زبان میں کسی جانور کو کہتے ہیں ۔۔۔ کبیر کدھر ہے؟" نوجوان نے پہلے مسکراتے ہوئے اور پھر یکلخت سخت لہجے میں کہا۔

"تم بھی جاؤ کبیر۔۔۔" جابر نے بٹن دباتے ہوئے کہا لیکن اگلے لمحے حیرت سے اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔ اس نوجوان نے میز پہ اپنا دایاں ہاتھ رکھا اور قلابازی مارتے ہوئے اس کی دونوں ٹانگیں گھوم کر جابر کے سینے پہ پڑیں اور جابر کرسی سمیت اڑتا ہوا پچھلی دیوار سے جا ٹکرایا۔ اب نوجوان اس کی کرسی والی جگہ کھڑا ہو کر بڑی دلچسپی سے کرسی کے میکنزم والا بار بار بٹن دبا رہا تھا۔

"واہ۔۔ میں ساری عمر کھل جا سم سم ڈھونڈتا رہا۔۔ بچپن سے ہی اس کام کا مجھے بہت شوق تھا۔۔ تم اسے چھپا کر بیٹھے ہو۔" نوجوان نے اسے نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

"تت۔۔ تت۔ تم بچ کیسے گئے۔ آج تک اتنی پھرتی میں کسی میں نہیں دیکھی اور نہ ہی اس سسٹم سے کوئی بچا ہے۔" جابر نے کہا۔

"کرسی انہیں مات دیتی ہے جنہیں کرسی کا شوق ہوتا ہے۔۔ مجھے ایسا کوئی شوق نہیں۔ واہ ۔۔ کیا ڈائیلاگ مارا ہے ساحر۔۔" نوجوان جو کہ ساحر تھا اپنے آپ کو سراہتے ہوئے بولا اور

پھر یکدم پلٹا۔

"بڑا جدید سسٹم بنا رکھا ہے تم نے، تم لوگ تو بہت اونچے اڑ رہے ہو۔۔ چلو تمہیں مفت سیر

کراؤں۔۔" ساحر نے مسکرا کر کہا۔

"کک۔۔ کک۔۔ کہاں؟" جابر نے کہا۔ جب سے ساحر نے اسے دیوار سے دے مارا تھا تب سے وہ مرعوبیت سے نکلا نہیں تھا۔ ساحر تیزی سے آگے بڑھا۔ اس نے جابر کی گردن میں ہاتھ ڈالا اور اٹھا کر دیوار سے دے مارا۔ جابر کی چیخ نکل گئی۔ جیسے ہی وہ نیچے گرا۔ ساحر نے اسکی گردن پہ پاؤں کا دباؤ ڈالا اور تب تک دباؤ ختم نہ کیا جب تک وہ بے ہوش نہ ہو گیا۔ ساحر نے اسے اٹھا کر کرسی پہ ڈالا اور بٹن پہ ہاتھ رکھا۔

"کھل جا سم سم۔۔۔" کہتے ہوئے بٹن دبا دیا۔۔ جابر کرسی سمیت زمین میں غائب ہو گیا۔ ساحر نے کمرے کی سیٹنگ کی۔ الماری کے ساتھ اسے

تہ خانے کا دروازہ مل گیا تھا۔ آفس کا دروازہ بند کر کے وہ تہ خانے میں اترتا گیا۔

عصمت کا شوہر الیاس جس ہوٹل میں کام کرتا تھا، ساحر کو وہاں سے کچھ خاص معلومات نہیں ملی تھیں لیکن جبران نے کبیر کو ڈھونڈنے کی شروعات پولیس اسٹیشن سے کی تو اسے سپاہی ارشد سے کبیر کا کلیو مل گیا۔ وہ گولڈن ہوٹل کے جنید تک پہنچا اور وہاں سے اسے کبیر کے ٹارگٹ کے متعلق پتہ چلا۔ اس نے ساحر کو انفارم کیا۔ ساحر فوری طور پہ سٹی ہوٹل پہنچ گیا۔

تہ خانے میں اس کو کبیر اور اس کیس کی اہم کڑی، جابر کی صورت میں ان کے ہاتھ لگ گئی تھی۔ تہ خانے میں کبیر اور جابر دونوں بے ہوش تھے۔ اس کا مطلب تھا کے کرسی والے میکنزم میں کہیں بے ہوش کرنے کا بھی سسٹم تھا۔ ساحر نے جابر کو وہاں موجود کرسی پہ جکڑا اور پہلے کبیر کو ہوش میں لانے کے لئے آگے بڑھا۔

ساحر اور جبران نے اس فارم ہاؤس سے صرف عصمت ہی نہیں، اس کے ساتھ پچاس سے زیادہ نوجوان لڑکے اور لڑکیاں بازیاب کروائیں اور انہیں بہت خاموشی سے ان کے گھروں تک پہنچا دیا گیا تھا۔ ایک عام

سا کیس۔۔۔ جو ایک لڑکی کے اغواء سے شروع ہوا، وہ وقت کے ساتھ ساتھ اپنی جڑیں پھیلائے ہوئے نظر آرہا تھا جسے اب ساحر مکمل کرنا چاہتا تھا۔

☆

شکار نگر ایک ایسا اہم شہر تھا جس کے نزدیک صحرائی علاقہ بہت اہمیت کا حامل تھا۔ اس صحرائی علاقے میں ریت میں دفن کئی پرانی تہذیبوں کے آثار دریافت ہوئے تھے۔ تحقیقی کام، سیاحوں کی آمد اور سڑکوں کے

جال کی وجہ سے اس وجہ سے یہ شہر بہت جلدی ترقی کر گیا۔ یہاں ہوٹل ،ریستوران اور علاقائی آرٹ کے بہت سے مراکز تھے۔ کچھ عرصہ پہلے یہاں سے تیل بر آمد ہونے کی بھی پیش گوئی کی گئی تھی۔ جس وجہ سے آمد و رفت اور بھی بڑھ گئی تھی۔ یہاں ہر وقت ملکی اور غیر ملکی ماہرین کا آنا جانا لگا رہتا تھا۔ اس شہر سے دو تین بڑے شہر بھی جڑتے تھے۔ جن سے اس شہر کا فاصلہ بہت کم تھا شاید اس وجہ سے اس علاقے کو مختلف اشیا تجارت کے لئے ذخیرہ اندوزی کا اہم مرکز ہونے کا شرف بھی حاصل تھا۔ بڑے شہروں کی نسبت یہاں سٹوریج کے اخراجات نہ ہونے کے برابر تھے۔ اور کم فاصلے کی وجہ سے کچھ ہی گھنٹوں میں مال بڑے شہروں میں پہنچ جاتا تھا۔

شکار نگر کے قریب کافی قصبے آباد تھے جن میں سے ایک عزت گڑھ بھی تھا۔ عزت گڑھ کا نام پہلے کچھ اور ہوا کرتا تھا۔ یہ علاقہ سہولیات کے حوالے سے تو ترقی پذیر تھا لیکن انا پرستی اور نام نہاد غیرت کا میلہ ابھی بھی سجتا رہتا تھا۔ یہاں کی سب سے مشہور بات غیرت کے نام پہ کئے جانے والے قتل تھے۔ اس علاقے کے باسیوں کے ان کارناموں کی وجہ سے نام عزت گڑھ پڑ چکا تھا۔ اس نام نہاد غیرت کا اطلاق صرف

صنفِ نازک پہ ہوتا تھا کیونکہ ایک تو ان پہ ہاتھ ڈالنا بہت آسان تھا ، پھر مردانگی اور غیرت تھے بھی مترادف الفاظ۔ مرد جو مرضی کرے، وہ ہوتا تو آخرکار غیرت مند ہی ہے۔ صنفِ نازک پہ ہاتھ ڈالنے سے مردانگی کا احساس ہوتا تھا۔ یہی احساس انا پرست جسم کی رگوں کا خون تھا جس کے بغیر لمحہ بھر بھی انا پرست انسان زندہ نہیں رہ سکتا تھا۔ جب مردانگی سے کسی غلطی کا ارتکاب ہوتا تو اس سے مردانگی کی مونچھ کی اونچائی اور بل بڑھ جاتے، سوٹ کی کلف پہلے سے زیادہ کڑک دار ہو جاتی اور چہرہ غیرت کی تابناک چمک سے سج کر آنکھوں کو خیرہ کرنے لگتا۔ کندھوں پہ لگے، نظر نہ آنے والے ستاروں میں اضافہ ہو جاتا۔ ہر انسان کو برابری کے حقوق کا نعرہ، صنف کی تقسیم کے ساتھ ہی کوڑے دان میں پہنچ جاتا، مردانگی اپنی افضلیت کے باعث اس میدان میں بھی جیت جاتی۔ بیٹے ایسی غلطیوں کے بعد 'ہرکولیس' اور بیٹیاں تختۂ غیرت بن جاتیں۔

گاؤں کے مقدس چبوترے کے سامنے لوگ جمع تھے۔ سامنے چبوترے پہ لگی کرسیوں پہ علاقے سے سب سے باعزت لوگ بیٹھے تھے اور چبوترے سے نیچے والے ابھی اس درجے تک نہیں پہنچے تھے۔ انکی

آنے والی نسلیں بھی چبوترے تک رسائی حاصل نہیں کر سکتی تھیں کیونکہ چبوترے کی غیرت کا بھی اپنا ہی ایک خود ساختہ تقدس تھا جو وراثت کی عطا تھا۔ عام لوگ، وہ کم غیرت یافتہ لوگ، حسبِ توفیق، کرسیوں، چارپائیوں اور اپنی قدرتی نشستوں پہ براجمان تھے۔ چبوترے پہ بیٹھنے والے لوگوں میں چند ایک پڑھے لکھے بھی نظر آتے تھے اور باقی سب کے چہرے، ان کے تجربات کی روشنی سے، ان پڑھ ہونے کی تاریکی کو دور کر رہے تھے۔ آج کی یہ میٹنگ علاقے کے ایک پڑھے لکھے جاگیر دار

حاکم رانا کے بلاوے پہ رکھی گئی تھی۔ حاکم رانا تعلیم یافتہ ہونے کے ساتھ ساتھ علاقے کے امیر لوگوں میں سے تھا۔ وہ کافی دبدبہ اور اثر و رسوخ کا حامل تھا۔

"اگر لوگوں کو ہمارے نظریہ کی سمجھ نہیں آتی تو ہم کیا کر سکتے ہیں؟" چبوترے پہ بیٹھے ایک بوڑھے نے کہا۔

"ہمیں اس معاملے کو سنبھالنا چاہیئے۔ یہ معاملہ پورے ملک میں ہماری بدنامی کا باعث ہے۔" حاکم رانا نے کہا۔

"تو تمہارا مطلب ہے کہ ہم بے غیرت ہو جائیں؟" دوسرے بوڑھے نے غصے سے کہا۔ چبوترے پہ براجمان لوگوں کے کپڑوں میں لگی 'کلفی غیرت' نے انگڑائی لی۔

"نہیں۔ نہیں۔۔ ہمیں یا تو لوگوں کو سمجھانا چاہیئے۔ یا پھر ہمارے علاقے کی خبر چھاپنے سے سب کو منع کرنا چاہیئے۔ اور اس کام کے لئے طاقت اور روپیہ چاہیئے۔" حاکم رانا نے کہا۔

"تم ہم سے کیا چاہتے ہو؟" اسی بوڑھے نے پوچھا۔

چبوترے سے نیچے بیٹھنے والوں کی حالت سرکس دیکھنے والوں جیسی تھی۔ فرق یہ تھا کہ یہ سرکس، پیسوں کے حساب سے مفت اور زندگی گزارنے کے حساب سے انہیں بہت مہنگی پڑتی تھی۔ جو بھی فیصلہ ہوتا سب سے پہلے ان پہ ہی لاگو ہوتا۔، بڑے لوگ تو ویسے ہی ہر کولیسی خاندان کی پاکیزہ ہستیاں تھیں۔

"آپ لوگوں کا ساتھ۔۔ ہم میں سے کسی کو بھی اپنی غیرت، روایات قربان کرنا پسند نہیں۔ اپنے علاقے میں ہم خود حکومت کریں گے۔ اس کے لئے سب کا ایک جُٹ ہونا ضروری ہے۔ اس طرح سے ہم اپنے

معاشرے کو پاک رکھ سکتے ہیں۔ اور غلطی کرنے والے کو اگلی غلطی کے لئے ہم زندہ نہیں چھوڑیں گے۔" حاکم نے کہا۔

"ہمیں خوشی ہے کہ تم میں غیرت کا جذبہ تو ہے۔۔ ورنہ پڑھنے لکھنے اور شہر کا باسی ہونے کے بعد تو انسان کا حال ہی کوئی نہیں رہتا۔۔ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔" حاکم کو جواب ملا۔

"تو ٹھیک ہے۔ آئندہ ہم میں سے کوئی بھی کسی قسم کی خبر کسی باہر والے شخص کو نہیں بتائے گا اور نہ ہی ہمارے آباؤ اجداد کی روایات کے خلاف جانے والے کا ساتھ دے گا۔" حاکم نے کہا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے اٹھتے ہی باقی سب بھی اٹھ گئے اور سب اپنی راہ چل دیئے۔ حاکم اپنی لینڈ کروزر کے پاس پہنچا تو اس کے سیکرٹری نے فون اس کی طرف بڑھایا۔

"شہر سے کال ہے۔ کافی دیر سے کال آ رہی تھی لیکن آپ مصروف تھے۔" سیکرٹری نے مودبانہ انداز میں کہا۔

"ہیلو۔۔ حاکم سپیکنگ۔۔" حاکم نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ اور وہ گاڑی میں

بیٹھ گیا۔

"پورے شہر میں تمہارا سیٹ اپ ختم ہو گیا ہے۔" دوسری طرف سے بھاری آواز سنائی دی۔

"میرا نہیں۔ ہمارا۔۔ کس نے کیا؟" حاکم نے کہا۔

"ابھی تک کوئی خبر نہیں۔۔ میرا خیال ہے اب وہ لوگ تم تک پہنچیں گے۔" اس نے کہا۔

"مجھ تک پہنچنا بچوں کا کھیل نہیں۔" حاکم نے غرور بھرے لہجے میں کہا۔

"جو یہ کام کر رہے ہیں۔۔ اپنی کارکردگی سے وہ مجھے بچے لگتے بھی نہیں۔ انہوں نے شہر میں نہ تو تمہارا کوئی آدمی بخشا ہے۔۔ نہ گودام اور نہ ہی نیٹ ورک۔۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"تم کہاں تھے جب یہ سب ہو رہا تھا؟" حاکم نے پوچھا۔

"میری پوزیشن ایسی نہیں تھی کہ سامنے آتا۔ دوسری بات۔۔ یہ کام پولیس یا کسی ایسے ادارے نے نہیں کیا کہ مجھ تک خبر آتی۔ پھر تمہارے آدمی بھی تو تربیت یافتہ تھے۔ سب کے سب بڑی آسانی سے مار کھا گئے۔ سب کچھ دو دنوں میں تباہ ہو گیا۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔

"بہت محنت سے یہ سارا سیٹ اپ بنایا تھا۔ اور دو دن میں ختم ہو گیا۔ ویری بیڈ۔۔" حاکم نے کہا۔

"اب آرڈرز کا کیا ہو گا؟ کاروبار میں ساکھ ہی سب کچھ ہے۔۔ اور وہی ڈوبتی نظر آ رہی ہے۔" دوسری طرف سے پوچھا گیا۔

آرڈرز کا میں کچھ کرتا ہوں۔ ایک اسی شہر میں گودام تھوڑی تھے، کسی اور جگہ سے سپلائی کر دیں گے۔" حاکم نے کہا۔

"لیکن مسئلہ سیمپل کا ہے۔۔مال تو وہی سپلائی کرنا ہے جو سیمپل دکھایا ہے۔ اب جب مال یا سیمپل بدلیں گے تو گاہک تو پوچھیں گے کہ کیا گڑبڑ ہے۔" جواب ملا۔

"اس مسئلے کو تو اب کسی نہ کسی طرح برداشت کرنا ہی پڑے گا۔" حاکم نے پریشان لہجے میں کہا۔

"ساکھ بچانے کا ایک ہی حل ہے۔ جنھوں نے یہ کام کیا ہے ان کی لاشیں۔ ورنہ کسٹمرز ختم ہو جائیں گے کہ جب ہم اپنے ملک میں ہی بے بس ہیں تو اُن کسٹمرز کے لئے بھی کسی بھی وقت خطرہ بن جائیں گے۔" کالر نے کہا۔

"معلوم کرنے کو کوشش کرو کہ اس کام میں کن لوگوں کا ہاتھ ہے۔ پھر دیکھتا ہوں کہ کتنے پانی میں ہیں۔" حاکم نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"اس پوائنٹ پہ میں پہلے ہی کام کر رہا ہوں۔ لیکن تم الرٹ رہو، کیونکہ تمہارا لنک انھیں مل سکتا ہے۔ جابر ابھی تک غائب ہے، وہ تمہارا خاص آدمی تھا۔ جب کہ میرے بارے صرف تمہیں علم ہے۔" کالر نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔۔اس کا انتظام میں ابھی ابھی کر آیا ہوں۔" حاکم نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"وہ کیسے؟"۔۔کالر نے چونکتے ہوئے پوچھا۔

"ایک تو اس علاقے پہ میرا کنٹرول ہے۔ آج یہاں کے لوگوں کو غیرت کے نام پہ میں ویسے ہی مٹھی میں کر کے آیا ہوں۔ جب کوئی خطرہ ہو گا،

ان لوگوں کی غیرت جگا دوں گا۔۔ اگر وہ لوگ یہاں آئیں گے تو الٹا خود ہی مریں گے۔" حاکم نے کہا۔

"اوکے۔۔کوئی خبر ہوئی تو میں رابطہ کر لوں گا۔۔اور فون پہ انتظار مت کرایا کرو۔" کالر نے کہا اور کال بند ہو گئی۔

"امجد۔۔یہ کال مجھے فوری بتایا کرو چاہے میں جتنا بھی مصروف ہوں۔"

حاکم نے فون سیکرٹری کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"یس سر۔۔ کہاں جانا ہے سر؟" امجد نے چوک میں پہنچنے سے پہلے پوچھا۔

"گودام چلو۔۔ ہیرے سے کام ہے۔" حاکم نے کہا اور ڈرائیور نے گاڑی گودام کی طرف موڑ دی۔ حاکم کا امپورٹ ایکسپورٹ کا بزنس تھا۔ جس میں لوہا، کوئلہ اور سیمنٹ شامل تھا۔ گودام پہنچ کر وہ سیدھا اپنے روم میں پہنچا۔ یہ دفتر جیسا لگتا تھا لیکن حاکم کبھی بھی یہاں حساب کتاب چیک کرنے یا بزنس کی بات کرنے نہیں آیا تھا۔ جب کبھی ہیرے سے کام ہوتا وہ یہاں آتا۔

ہیرا، جس کا اصل نام تو کچھ اور تھا لیکن اس کی پہچان اسی نام سے تھی۔ یہ نام اسے حاکم نے دیا تھا۔ حاکم کے لئے وہ کچھ بھی کر سکتا تھا۔ ہیرے کے ماتحت علاقے کے بدمعاش کام کرتے تھے۔ جنہیں بوقت ضرورت حاکم اپنے علاقے میں بھی اور مختلف شہروں میں بھی کام کے لئے بھیجتا تھا۔ ہیرے سمیت یہ سب لوگ وحشی، سفاک اور بہت خطرناک تھے۔

"جی صاحب۔۔ آپ نے یاد کیا؟" ایک گنجے سر، بڑی بڑی مونچھوں

والے شخص نے کمرے میں داخل ہو کر سینے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ اس کا قد چھ فٹ سے بھی زیادہ تھا اور بہت بھاری جسامت کا تھا۔ اس کو دیکھ کر لگتا تھا جیسے وہ ریسلر ہو۔

"بیٹھو ہیرے۔۔ تم سے کام ہے۔" حاکم نے مسکرا کر کہا۔

"صاحب۔۔ حکم فرمائیں۔" ہیرے نے سر جھکاتے ہوئے کہا۔

"شہر میں ہمارا کاروبار ختم کر دیا گیا ہے۔ جنہوں نے ایسا کیا ہے ابھی تک ان کی کوئی خبر نہیں ہے۔ لیکن مجھے رپورٹ ملی ہے کہ اب وہ میرے پیچھے آئیں گے۔" حاکم نے سنجیدگی سے کہا۔

"صاحب آپ بے فکر ہو جائیں۔۔ وہ ہمارے علاقے میں زندہ داخل ہی نہیں ہو سکیں گے۔" ہیرے نے کہا۔

"نہیں۔۔ بِنا کنفرمیشن کے کسی کو کچھ نہیں کہنا۔ پہلے ہی ہم میڈیا میں بدنام ہیں۔ کنفرمیشن کے بعد ان سے یہ بھی معلوم کرنا ہے کہ اور کس کس کو اس بارے پتہ ہے اور ان کو اس کام کی بھنک کیسے لگی۔ پھر مار دینا۔" حاکم نے کہا۔

"ٹھیک ہے صاحب۔۔ جیسے آپ کا حکم۔۔" ہیرے نے سر جھکایا۔

"ایک بات یاد رکھنا۔۔ انہوں نے بہت بڑا اسیٹ اپ دو دنوں میں اکھاڑ

پھینکا ہے۔۔انہیں کمزور سمجھنے کی غلطی مت کرنا۔" حاکم نے کہا۔

"جی صاحب۔۔میں خیال رکھوں گا۔" ہیرے نے کہا۔

"کیسے پکڑو گے انہیں؟" حاکم نے پوچھا۔

"وہ ضرور شکار نگر سے ہو کر آئیں گے۔ شہر میں داخل ہونے والے رستوں پہ اپنے آدمی نگرانی پہ کھڑے کر دوں گا۔ جو آنے والی گاڑیوں کی چیکنگ کریں گے۔ جو مشکوک محسوس ہوا اسے پکڑ لیں گے۔" ہیرے نے کہا۔

"اس علاقے میں آنے والوں کے ساتھ عورتیں کم ہی آتی ہیں۔ امید ہے کہ وہ بھی صرف مرد ہی ہوں گے، اگر صرف مرد ہوں تو تفصیلی پوچھ گچھ کرنا۔ اس کے علاوہ جو کسی اور شہر سے اکٹھے آئے ہوں ان کو بھی چیک کرنا۔ لہجے، لباس اور دیگر عادات سے تم سب کو چیک کر سکتے ہو۔ شہر سے اُن کے بارے میں اگر مجھے کوئی خبر ملی تو میں تمہیں بتا دوں گا۔" حاکم نے کہا۔

"جی صاحب۔۔میں خیال رکھوں گا۔" ہیرے نے کہا۔

"گڈ۔۔اب تم جاؤ۔" حاکم نے کہا اور ہیرا سلام کرتا ہوا باہر چلا گیا۔

ہیرے کی ڈیوٹی لگانے کے بعد وہ پر سکون نظر آرہا تھا۔ اسے ہیرے پہ یقین تھا کہ وہ چُوکے گا نہیں۔ وہ اٹھا اور آفس سے نکل گیا۔

اس کے ہر قدم سے غیرت چھلک رہی تھی۔

☆

نیم صحرائی علاقے میں ایک طاقتور جیپ سڑک پہ تیزی سے دوڑی جا رہی تھی۔ ڈرائیونگ سیٹ پہ کبیر تھا اس کے ساتھ والی سیٹ پہ جبران۔ جبکہ ساحر پچھلی سیٹ پہ لیٹا مختلف آوازوں میں خراٹے لے رہا تھا۔ کبیر اور ساحر چہروں کے اعتبار سے غیر ملکی تھے جبکہ جبران کا چہرہ جنگلی طرز کی مونچھوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا، ناک پہلے سے موٹی تھی، گال پہ چھوٹا سا مسہ۔ جیپ میں دو بڑے بڑے تھیلے بھی تھے جن میں ریسرچ سے متعلق سامان تھا۔ کاغذات کی رو سے ساحر ایک ریسرچر تھا جب کہ کبیر اس کا ڈرائیور۔ جبران حکومت کے نمائندے کے طور پر ان کے ساتھ تھا۔

"میک اپ کی کیا ضرورت تھی، یہاں ہمیں کون جانتا ہے؟" جبران نے کہا۔

"جانتے نہیں تبھی تو تمہیں دیکھ کے ڈر سکتے ہیں سب۔" کبیر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میک اپ احتیاطاً کیا ہے۔ اگر کوئی نہیں جانتا تو یہ مطلب تو نہ ہوا کہ لوگ ہمیں جان جائیں۔ اور ہم ایک سیٹ اپ برباد کر کے آ رہے ہیں۔ ہو سکتا ہے ہمارے خلاف کوئی کلیو مل چکا ہو اور وہ لوگ ایسے رستے پہ نظریں ٹکائے ہمارا انتظار کر رہے ہوں جیسے ہم عید الفطر کا چاند ہوں اور آج انتیسواں روزہ ہو۔" ساحر نے بند آنکھوں سے ہی جواب دیا۔

"انکل کیسے مان گئے اس مشن کے لئے؟" جبران نے پوچھا۔

"انکل کیوں منع کریں گے، یہ کام بہت ضروری ہے۔ معاشرے کو صاف کرنا بھی ہماری ذمہ داری ہے۔ ہم فارغ تھے لہذا میں نے سوچا کچھ کام کر لیا جائے۔ میں نے انکل کو انفارم نہیں کیا۔" ساحر نے جواب دیا۔

"مطلب ہم ذاتی طور پہ جا رہے ہیں؟" جبران نے حیرانی سے پوچھا۔ اور ساحر نے ہاں میں سر ہلا دیا۔

"جابر کا کیا ہوا؟" جبران نے پوچھا۔

"وہ حراست میں ہے۔ ہو سکتا ہے اس کی ضرورت پڑ جائے۔" ساحر نے کہا۔

"تم اتنے سنجیدہ کیوں ہو؟" جبران نے پیچھے مڑ کر پوچھا۔

"میں سویا ہوا ہوں اس لئے۔" ساحر نے جواب دیا۔

"سوئے ہوئے ہو تو جواب کیسے دے رہے ہو؟" جبران نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔ اب وہ ساحر کی طرف پوری طرح متوجہ تھا۔ اس کی مسکراہٹ آہستہ آہستہ ختم ہوتی گئی کیونکہ کافی دیر گزر جانے کے باوجود ساحر نے جواب ہی نہ دیا جیسے وہ واقعی سو رہا ہو۔

"حد ہے یار۔۔ اب یوں لگ رہا ہے جیسے گہری نیند میں ہو۔" جبران نے سکرین کی طرف مڑتے ہوئے کہا۔

"تم نے خود غلطی کی پوچھ کر۔ سنجیدہ تھا تو سب کچھ پوچھ لیتے۔" کبیر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"یہ لوگ کون ہیں؟" کبیر نے چونک کر کہا۔ سامنے سڑک پر کچھ لوگ شکار گڑھ جانے والی گاڑیوں کو روک کر چیکنگ کر رہے تھے۔ ساحر یہ سن کر بھی نہ اٹھا۔

"دیکھنے میں تو غنڈے لگتے ہیں۔ مگر یہ چیکنگ کس لئے۔۔ کھلے عام غنڈہ گردی اور روکنے والا بھی کوئی نہیں۔" جبران نے حیرت سے کہا۔

"اس سے پتہ چلتا ہے کہ ہمارے دشمن کس حد تک جا سکتے ہیں۔ یہ ہمارے لئے چیکنگ کر رہے ہیں۔ اپنے اپنے کردار میں ہی رہنا۔" ساحر نے لیٹے لیٹے ہی کہا۔ گاڑی میں خاموشی چھا گئی۔ وہ غنڈے باری باری گاڑیاں چیک کر کے سڑک سے ہٹ کے گاڑی کو رستہ دیتے۔ اور پھر پچھلی گاڑی پہ توجہ مرکوز کر دیتے۔ اپنی باری پہ کبیر نے گاڑی آگے بڑھائی۔ ایک شخص کبیر والی سائیڈ پہ کھڑا ہو گیا اور ایک جبران والی سائیڈ پہ۔

"باہر نکلو سب۔۔" ایک غنڈے نے کرخت آواز میں جبران سے کہا۔ کبیر اور جبران باہر نکل آئے لیکن ساحر لیٹا رہا۔ غنڈے نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا اور غیر ملکی کو دیکھ کر ایک بار ہچکچایا لیکن پھر اس نے سخت لہجے میں ساحر کو باہر نکلنے کا کہا۔

"میرے دل میں درد ہے بوائے۔۔" ساحر نے آہستگی سے گاڑی سے اترتے ہوئے انگریزوں کے انداز میں اردو بولتے ہوئے کہا۔ اور سارے غنڈے حیرت سے منہ کھولے اسے دیکھ رہے تھے۔

"تم سب اس طرح کیوں دیکھ رہے ہو مجھے؟" اس نے نقاہت بھرے لہجے میں کہا۔

"پروفیسر۔۔دل سینے میں ہوتا ہے۔۔" جبران نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

"اوہ۔۔درد کی وجہ سے بھول گیا تھا۔ سوری۔۔" ساحر جو کہ پیٹ پہ ہاتھ

رکھ کر کراہ رہا تھا جلدی سے ہاتھ سینے پہ لے جاتے ہوئے بولا۔

"کہاں سے آرہے ہو تم لوگ؟" اسی غنڈے نے پوچھا۔

"میں تو پرستان سے آیا ہوں۔۔ان سے پوچھ لو۔۔" ساحر نے سینہ پھلاتے ہوئے کہا۔

"تم پاگل ہو؟" اس نے غصے سے پوچھا۔

"اچھا نام ہے۔۔خوشی ہوئی تم سے مل کر۔۔" ساحر نے کہا اور آگے بڑھ کر اسے گلے لگا لیا۔

"کیا کر رہے ہو۔۔ہٹو پیچھے۔۔" اس نے ساحر کو دھکیلتے ہوئے کہا۔

"عجیب بات ہے ۔۔اس ملک میں سب کا پارہ چڑھا ہوا ہے۔۔ تم شکر کرو میں نے تمہیں گلے لگا لیا۔۔ورنہ پاگل کو تو کوئی منہ نہیں لگاتا۔" ساحر نے کمر پہ ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"کیا بکواس ہے ۔۔ تمہاری ہمت کیسے ہوئے مجھے پاگل کہنے کی؟" اس نے

چیخ کر کہا۔ تب تک جبران اس کے ساتھیوں کو کاغذات کی چیکنگ کروا چکا تھا۔

"تم نے خود کہا۔ میں نے کب کہا۔۔" ساحر نے اطمینان سے جواب دیا۔

"بکواس بند کرو۔۔ اسے لے کر دفع ہو جاؤ۔۔ورنہ میں تم سب کو گولی مار دوں گا۔" اس نے جبران کی طرف دیکھ کر بھڑکے ہوئے انداز میں کہا۔

"مجھے کھٹی گولی مارنا۔۔ تمہیں کونسی چاہیئے؟" ساحر نے کبیر اور جبران کی طرف دیکھ کر پوچھا۔ اس غنڈے نے پسٹل نکالا ہی تھا کہ جبران اور کبیر معافی مانگتے ہوئے ساحر کو کھینچ کر جیپ کی طرف بڑھ گئے۔ کبیر نے جیپ سٹارٹ کی اور آگے بڑھا دی۔ ساحر نے کھڑکی سے سر نکال کر

کنپٹی پہ انگلی کو دائرے میں گھمایا جیسے اسے پھر پاگل کہہ رہا ہو۔ غنڈے نے منہ ہی منہ میں اس کو کوئی جواب دیا۔

"کیا مصیبت ہے۔۔ مروانا تھا ہمیں؟" جبران نے مڑ کر کہا۔ لیکن ساحر پھر سو چکا تھا۔ جبران منہ بنا کر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر تک وہ ہوٹل پہنچ گئے۔ ہوٹل میں فون کے ذریعے بکنگ وہ پہلے ہی کروا چکے تھے۔ اپنے اپنے کمروں میں سامان رکھ کر فریش ہو کر وہ نیچے ہال میں پہنچ

گئے۔ کھانے کا آرڈر دے کر اب وہ بیٹھے گپیں لگا رہے تھے۔

"آگے کیا کرنا ہے؟" جبران نے پوچھا۔

"کھانا آتے ہی ٹوٹ پڑو۔" ساحر نے ہونٹوں پہ زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

"میں نے مشن کے بارے میں پوچھا۔" جبران نے منہ بناتے ہوئے پوچھا۔

"اس وقت سب سے اہم مشن یہی ہے۔" ساحر نے سنجیدگی سے کہا۔

اس کے سنجیدہ ہونے پہ جبران چونک گیا۔ پھر اس نے سمجھنے والے انداز میں سر ہلایا۔ وہ اس وقت مین ہال میں تھے اور یہاں ایسی بات کرنا

بہتر نہیں تھا۔ کھانا کھا کر وہ کاغذات میں درج اپنی سائیٹ دیکھنے کے لئے نکل گئے۔

"ہمارا پیچھا ہو رہا ہے۔۔" کبیر نے کہا۔

"زہے نصیب۔۔ آخر کار وقت بدل ہی گیا۔" ساحر نے چہک کر کہا۔

"کونسا وقت بدل گیا؟" جبران نے الجھے ہوئے انداز میں پوچھا۔

"ہم جیسے۔۔۔ سوری۔۔۔ مجھ جیسے پر کشش نوجوان کے پیچھے یقیناً کوئی پری ہی لگی ہو گی۔۔ پہلے لڑکے لڑکیوں کا پیچھا کرتے تھے، اب لڑکیاں بھی بے باک ہو گئیں ہیں۔۔۔ وقت بدلتے 'وقت' نہیں لگتا۔" ساحر نے خوشی سے جھومتے ہوئے کہا۔

"میرے خیال سے تو وہی لڑکیاں ہوں گی جو آج بیچ سڑک کے چیکنگ کر رہی تھیں۔ موچھوں والی۔۔" کبیر نے مسکرا کر کہا۔

"پھر تو وہ تم دونوں کے پیچھے ہی ہوں گی۔۔۔ ان کی خوبصورتی بہت اونچے درجے کی تھی، سلکی سلکی اور لہراتی ہوئی موچھیں، ان میں چھپے ہوئے سگریٹ زدہ ہونٹ۔۔ سرخ آنکھیں۔۔ اور ان کی رومانوی مسکراہٹ۔۔ میں ان کے لائق نہیں۔ مبارک ہو تمہیں۔" ساحر نے

غنڈوں کا رومانٹک سا خاکہ بناتے ہوئے کہا، کبیر کا قہقہہ بلند ہوا جبکہ جبران نے گھور کر ساحر کو دیکھا۔

"بچہ گھور کر اپنی شرماہٹ چھپا رہا ہے۔" ساحر نے جبران کو دیکھ کر چھیڑا۔

"سیدھے چلتے رہو۔۔ سائیٹ تک ۔۔ کچھ سوچ لیتے ہیں۔" ساحر نے اچانک سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا۔

"ایک پلان ہے میرے ذہن میں ۔۔ ہم اغوا ہونے کی نہ کوشش کریں؟۔ اس طرح ہم بغیر کسی تلاش کے دشمنوں تک پہنچ جائیں گے۔" جبران نے کر کہا۔

"ویری گڈ۔۔ اس طرح ہم ان لوگوں تک آسانی سے پہنچ جائیں گے۔" ساحر نے مسکرا کر کہا۔

"اور اگر وہ اغوا کی نیت سے نہ آئے ہوں تو؟" کبیر نے کہا۔

"پھر ان کی موجیں ہیں۔۔ کیونکہ ہمارے ہاتھ تو باندھے ہوئے ہیں۔" ساحر نے کہا اور کبیر چپ کر گیا۔ ساحر کی بات سے اسے محسوس ہوا کہ جبران کے پلان پہ ہی عمل کرنا ہے۔

"اگر محسوس ہو کہ وہ ہمیں مارنے آئے ہیں تو ہم کسی کو نہیں چھوڑیں گے۔ تاکہ ان کے آقا سمجھ جائیں کے ہم آسان شکار نہیں۔" ساحر نے سرد لہجے میں کہا۔

گاڑی میں خاموشی تھی۔ اور تیزی سے سائیٹ کی طرف بڑھی جا رہی تھی۔ کبیر اور جبران سوچوں میں گم تھے جبکہ ساحر کھڑکی سے باہر ریت کو اس طرح دیکھ رہا تھا جیسے وہ کسی چڑیا گھر میں سیر کے لئے آیا ہو۔

☆

ایک بڑی سی جیپ ساحر اور اس کے ساتھیوں کے تعاقب میں تھی۔ جیپ میں موجود چاروں افراد کی مونچھیں ہوا میں لہرا رہی تھی، اگر ان کی مونچھوں کو وِنڈ مِل پاور پراجیکٹ میں استعمال کیا جاتا تو خاطر خواہ انرجی پیدا کی جاسکتی تھی مگر بد قسمتی سے حکومت ابھی تک ان کی مونچھوں کو دریافت کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکی تھی۔ چاروں کے قدموں میں مشین گنیں اونگھ رہی تھیں۔

"استاد۔۔ ہم نے کب تک کتوں کی طرح ان کا پیچھا کرتے رہنا ہے؟" ۔ ایک شخص نے ہاتھ سے مونچھوں کی حرکت کو روک کر، زبان کو حرکت کرنے کا موقع دیتے ہوئے مہذب انداز میں گفتگو کا آغاز کیا۔ (ان کے لئے یہ زبان مہذب ہی تھی)۔

"جب تک یہ لوگ تھک نہ جائیں۔ ویسے بھی حملہ کرنے کی اجازت نہیں۔" دوسرے شخص نے کہا، اسے مونچھوں کو سنبھالنے کی ضرورت نہیں تھی، وہ مونچھوں اور زبان کو بیک وقت حرکت دینے میں مہارت رکھتا تھا۔ شاید وہ اس سلسلے میں ان کا سینئیر تھا۔ اسے عرفِ عام میں استاد کے نام سے ہی پکارا جاتا تھا۔

"حملہ نہ کرنے کی وجہ؟" مہذب انسان نے دوبارہ پوچھا۔

"فیقے۔۔۔ تم باس سے ہی پوچھ لیا کرو سب۔۔۔ کتنی بار بتایا ہے کہ باس کو یہ لوگ زندہ چاہئیں۔ ان سے پوچھ گچھ کرنی ہے۔۔ یہ رانا صاحب کا حکم ہے۔" استاد نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

"تو پھر انہیں اگلے میدان میں روک لو۔۔۔ ہماری دوسری گاڑی بھی سامنے سے پہنچنے والی ہو گی۔ اور اگلے میدان میں یہ کام آسانی سے کیا جا سکتا ہے۔" فیقے نے فوری کہا۔

"یہ بات تو تمہاری بالکل ٹھیک ہے۔۔ گلزار۔۔ گاڑی تیز کرو۔۔ میدان میں پہنچتے ہی ان کا راستہ روک دینا۔" استاد نے فوری فیقے کی بات مانتے ہوئے آرڈر جاری کیا تو ڈرائیور نے گاڑی کی رفتار بڑھا دی۔ محوِ استراحت مشین گنوں کو بھی ہاتھوں میں پکڑ کر جگا دیا گیا۔ جس میدان میں انہوں نے ان لوگوں کو اغواء کرنے کا پلان بنایا تھا اس کے دونوں اطراف اونچے نیچے ٹیلے تھے۔ ٹیلے نہ بھی ہوتے تو اس مقام تک شاذونادر ہی کوئی گاڑی پہنچتی تھی، مخصوص سائیٹ تک جانے والی گاڑیاں ہی ادھر آتی تھیں جو کہ تعداد میں بہت کم ہوتی تھیں۔ وہ سائیٹ عزت گڑھ کے بالکل قریب تھی۔ استاد خود اس گاڑی کے تعاقب میں تھا مگر اس نے دوسری طرف سے بھی ایک گاڑی اور کچھ

لوگ منگوائے تھے تاکہ مناسب جگہ دیکھ کر۔۔ دونوں اطراف سے گھیر کر۔۔ وہ ان لوگوں کو اٹھالیتا۔۔ فیقے کی ترکیب اسے پسند آئی تو اس نے فوری یہ کام کر گزرنے کا منصوبہ بنالیا۔ استاد نے فون نکال کر کسی کو کال کی۔

"کہاں پہنچے تم لوگ؟" استاد نے سخت لہجے میں پوچھا۔

"استاد۔۔ ہم اونچے ٹیلوں والے علاقے کے قریب ہیں۔۔" دوسری طرف سے بھاری آواز میں جواب ملا۔

"ٹھیک ہے۔۔ ہم ٹیلوں کے درمیانی میدان میں ہی ان لوگوں کو روکنے لگے ہیں۔ جلدی پہنچ جاؤ۔" استاد نے کہا اور کال بند کر دی۔

"ہیرا تو کہہ رہا تھا کہ یہ لوگ بہت خطرناک ہیں۔" ڈرائیور، جس کا نام گلزار تھا، اس نے کہا۔

"ہیرے کے لئے ہوں گے۔۔ مشین گن کے سامنے بڑے سے بڑے انسان کی چیں بول جاتی ہے۔" فیقے نے کہا تو گلزار چپ کر گیا۔

میدان کے ابتدائی ٹیلوں سے گزرتے ہی جیپ کی رفتار مزید بڑھ گئی اور چند لمحوں میں جیپ سڑک پہ ترچھی کھڑی تھی اور پتلی سی سڑک پہ اس جیپ کی وجہ سے رستہ بند ہو گیا۔ وہ جس گاڑی کا پیچھا کر رہے تھے

،وہ رستہ نہ ہونے کی وجہ سے رک چکی تھی۔ استاد اپنے شاگردوں کے ساتھ اسلحہ سنبھالے جیپ سے نکلا۔ وہ تیزی سے اس گاڑی کے پاس پہنچے اور شاگردوں نے دوسری گاڑی میں موجود لوگوں پہ اسلحہ تان لیا۔ سب سے پہلے ، اس گاڑی کی پچھلی سیٹ پہ موجود انگریز نے ہاتھ کھڑے کیئے مگر اس کی آنکھیں بند ہی تھیں اور خراٹے گونج رہے تھے۔ استاد کے ساتھیوں نے حیرت بھری نظروں سے پہلے اسے، اور پھر ایک دوسرے کی طرف دیکھا کہ یہ کیا ماجرا ہے۔۔

"باہر نکلو۔۔۔"۔۔ استاد نے گرج کر کہا تو گاڑی کا ڈرائیور اور ساتھ سیٹ پہ موجود

شخص تو باہر آ گئے جبکہ وہ انگریز بدستور خراٹے لے رہا تھا۔

"اسے تم نکالو گے یا ہم نکالیں۔۔۔" استاد نے غرا کر کہا تو ان دونوں نے کندھے اچکائے۔ ان کی لاپرواہی دیکھ کر استاد کا پارہ چڑھ گیا۔ استاد غراتا ہوا آگے بڑھا۔

"باہر نکلو الو کے پٹھے۔۔۔" اس نے چیخ کر کہا۔ وہ گاڑی کے دروازے کے پاس پہنچ چکا تھا، اس نے ہینڈل پہ ہاتھ رکھا اور اس سے پہلے کہ وہ دروازہ کھولتا۔ یکلخت گاڑی کا دروازہ کھلا اور استاد کے خمیدہ جسم سے

ٹکرایا، استاد صاحب اڑتے ہوئے سڑک پہ پشت کے بل گرے اور منہ سے اول فول نکلنا شروع ہو گیا۔

"سس۔۔۔ سوری۔۔۔" انگریز تیزی سے دروازے سے نکلتے ہوئے بولا اور وہ لڑکھڑایا۔ تیزی سے باہر نکلنے کی وجہ سے توازن کھو بیٹھا اور وہ استاد جی پہ جا گرا۔۔ استاد جی جو اٹھنے کی کوشش میں تھے، انگریز کے گرنے کی وجہ سے دوبار زمین پہ آ رہے اور تڑاخ سے ان کا سر پختہ سڑک پہ ٹکرایا اور ایک بار تو اس کی آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا۔ انگریز گڑبڑا گیا۔۔۔ ادھر انگریز اور استاد۔۔۔ دونوں کے ساتھی۔۔ ہکا بکا یہ سب دیکھ رہے تھے۔ انگریز تیزی سے استاد سے الگ ہوا۔۔۔ اور اوئی اوئی کرتے ہوئے اس نے استاد کو اٹھانے کی کوشش کی تو میدان استاد کی چیخوں سے گونج اٹھا۔۔

"حرام زادے میری مونچھیں چھوڑ۔۔۔ الو کے پٹھے۔۔۔ پاگل۔۔" استاد نے

چیختے ہوئے کہا۔ استاد کی شیطانی آنت نما مونچھیں انگریز کی مٹھیوں میں جکڑی ہوئی تھیں۔

"سوری۔۔۔" انگریز نے کہا اور یکدم ہاتھ چھوڑے تو استاد صاحب تیسری شرط پوری کرتے ہوئے جھٹکے سے تیسری بار سڑک پہ جا گرے۔۔

"سس۔۔ سس۔۔ سوری۔۔ مجھے لگا یہ تمہارا ہینڈل ہے۔۔۔ مونچھیں تو ایسی نہیں ہوتیں۔۔۔" انگریز نے ٹوٹی پھوٹی مقامی زبان میں جواب دیا۔

"حرام زادے۔۔ میں تمہیں بتاتا ہوں۔۔ ہینڈل کسے کہتے ہیں۔۔" استاد نے اچھل کر کھڑے ہوتے ہوئے کہا اور اچانک اس کا بازو گھوما۔ اس کا ٹارگٹ انگریز کا گال تھا، انگریز تیزی سے جھک گیا۔۔۔ استاد اپنے ہی زور میں گھوما۔۔ انگریز بھی اس کے ساتھ تیزی سے گھومتا گیا۔۔ استاد کے گھومنے کا جب چکر مکمل ہوا اور حواس بحال ہوئے تو انگریز اس کے نظروں کے سامنے سے غائب ہو چکا تھا۔۔

"کدھر گیا وہ فرنگی۔۔" اس نے پلٹ کر چیخ کر کہا اور پھر عین سامنے موجود فرنگی کو دیکھ کر دانت پیس کر رہ گیا۔۔

"تمہارے منہ سے تھوک تو اس طرح نکلتا ہے جیسے اندر تھوک مار کہ فوارہ لگا ہو۔۔" انگریز نے اپنا چہرہ صاف کرتے ہوئے کہا اور استاد نے

تیزی سے جیب میں ہاتھ ڈالا اور پسٹل نکالتے ہی فائر کر دیا۔۔۔ وہ انگریز اپنی عمر کے بر عکس بہت پھرتیلا ثابت ہوا، وہ اچانک چھلانگ لگا کر ایک طرف ہو گیا اور استاد کے ایک شاگرد کی چیخ بلند ہوئی اور ساتھ ہی مشین گن کا دہانہ کھل گیا۔۔ تڑتڑاہٹ کی آواز کے ساتھ ہی سب بوکھلا کر تتر بتر ہو گئے۔

"میں سلنڈر کرتا ہوں۔۔۔ اوہ۔۔ سوری۔۔۔ سرنڈر کرتا ہوں۔۔۔" انگریز نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"تم اب زندہ نہیں بچو گے۔۔" استاد نے دانت پیستے ہوئے کہا اور پسٹل سیدھا کیا۔ حالات کی سنگینی دیکھتے ہوئے انگریز نے چھلانگ لگائی اور استاد کو رگیدتا ہوا اپنی گاڑی کے بونٹ سے ٹکرایا۔۔ اس نے استاد کا سر گاڑی کے بونٹ سے دے مارا تھا اور پھر فوری اپنی جگہ چھوڑ دی تھی۔۔ ایسا کر کہ اس نے عقلمندی کا ثبوت دیا تھا، فیقے نے بغیر استاد کی جان کی پرواہ کیئے مشین گن کا ٹریگر دبا دیا تھا، اور گولیاں گاڑی کے بونٹ سے ٹکرائی۔۔ استاد چونکہ چوٹ کھا کر گر چکا تھا اس لئے وہ گولیوں کا شکار ہونے سے بچ گیا۔۔ اسی وقت فیقے کے اشارے پہ مشین گنوں کے قہقہے شروع ہو گئے اور سامنے موجود گاڑی چھلنی ہوتی

گئی۔ اسی وقت پیچھے سے ان پہ دو سائے جھپٹے اور اچانک فائرنگ رک گئی۔۔ مگر ایسا صرف چند لمحوں کے لئے ہوا۔ انگریز کے ساتھی شاید ان کے عقب میں کھسک گئے تھے۔ جیسے ہی فیقے کے ساتھیوں کے ہاتھوں سے مشین گنیں نکلیں۔۔ ان کا دہانہ دوبارہ گولیاں اگلنے لگا۔ اس بار گولیوں کا شکار بننے والے استاد کے ساتھی تھے۔ ان کے ہلاک ہوتے ہی فائرنگ رکی۔ انگریز کے دونوں ساتھی گاڑی کے اوٹ سے نکلے۔

"ساحر تمہارا دماغ تو نہیں خراب۔۔۔ پہلے بتا دیا کرو کہ کیا کرنا ہے۔۔ خواہ مخواہ جان جاتی۔۔۔" ایک نے جھلا کر کہا۔ وہ جبران تھا۔ ساحر گاڑی سے ہٹ کر ایک ٹیلے کے پیچھے سے نمودار ہوا۔

"ادھر مت آنا۔۔۔ ایک واش روم مل گیا ہے مجھے۔۔" انگریز نے اطمینان بھرے لہجے میں کہا جیسے کچھ ہوا ہی نہیں اور وہ مدتوں بعد کسی واش روم میں پہنچ پایا ہو۔ اس سے پہلے کے جبران یا کبیر اسے جواب دیتے۔۔ فضا مشین گنوں کی تڑتڑاہٹ سے دوبارہ گونج اٹھی اور اس بار چیخنے کی باری ان تینوں کی تھی۔۔۔ دور مختلف ٹیلوں سے فائرنگ کی جا رہی تھی۔

استاد نے جن ساتھیوں کو دوسری طرف سے بلایا تھا، انہوں نے فائرنگ سن کر عقلمندی کا مظاہرہ کیا اور بجائے گاڑی میں سوار ہو کر سڑک کے ذریعے آنے کے، وہ لوگ پیدل ہی چھپتے ہوئے ان کے قریب پہنچ گئے۔ موقع دیکھتے ہی انہوں نے پھیل کر بڑی ہوشیاری سے حملہ کر دیا تھا اور بے خبر دشمنوں کا شکار کر لیا۔

انگریز اور اس کے ساتھی ڈھیر ہو چکے تھے۔۔

☆

ہیرا تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا کوٹھی کے تہ خانے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اسے خبر ملی تھی کہ تین مشکوک افراد کو شکار نگر میں زخمی حالت میں پکڑ کر لایا گیا ہے۔ اسے استاد کے بارے میں بھی خبر مل چکی تھی کہ وہ زخمی ہے، جسے سن کر اس کا دماغ گھوم گیا تھا۔ استاد اس کا بہت ہی قریبی اور اہم ساتھی تھا۔ اپنی فطرت کے خلاف، حاکم رانا کے حکم کی

وجہ سے اب وہ پوچھ گچھ کے لئے جا رہا تھا۔ اس کی طبیعت میں نگرانی وغیرہ نہیں تھی۔ وہ بس ایکشن کا قائل تھا۔

ہیرے پہ حاکم رانا کے بہت سے احسانات تھے۔ ہیرے کا والد اور بڑا بھائی علاقائی جنگ میں قتل ہو چکے تھے۔ ہیرے کو حاکم نے اپنے ہاں کام دیا۔ اور ہیرے کی ماں کا علاج بھی کرایا۔ ہیرا پڑھائی میں زیادہ لائق تو نہ تھا لیکن پھر بھی کلاس کے اچھے طلبا میں سے تھا۔ اپنے مسائل کی وجہ سے تھوڑی تعلیم ہی حاصل کر سکا تھا، کالج میں بمشکل وہ دو سال ہی گیا تھا۔ حاکم رانا کے ساتھ کی وجہ سے اس کی گفتگو اور انداز پڑھے لکھے لوگوں جیسا تھا۔ اپنے والد اور بھائی کے قتل کی وجہ سے وہ ذہنی طور پہ بہت ڈسٹرب ہو گیا اور بھٹک گیا۔ ایسے حالات میں ہی اس کا سامنا حاکم رانا سے ہوا جس کے دشمنوں سے وہ بالکل جاہل جلاد کی طرح پیش آتا تھا۔

تہ خانے میں دو لوگ بندھے ہوئے ہاتھ پاؤں کے ساتھ زمین پر گھٹنوں کے بل بیٹھے تھے جبکہ تیسرا فرش پہ ہی ادھ مرا پڑا تھا۔ پہلے نمبر والا معمولی سا زخمی تھا، دوسرے والا بالکل ٹھیک تھا۔ زخمیوں کی ایسی حالت کے باوجود۔۔ انہیں بے رحمانہ انداز میں باندھا گیا تھا۔ پہلے نمبر پہ ایک

درمیانی عمر کا غیر ملکی، دوسرے پہ مقامی اور تیسرے پہ پھر ایک غیر ملکی نوجوان تھا۔ ایک غنڈہ مشین گن پکڑے ان کے سامنے کھڑا تھا اور دوسرا ایک کرسی پہ بیٹھا تھا۔ ہیرے کے اندر داخل ہونے پہ کرسی پہ بیٹھا شخص اٹھ گیا۔ ہیرا کرسی پہ بیٹھ گیا۔ اور وہ شخص اس کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔

"کیا نام ہے تمہارا؟" اس نے سخت لہجے میں پوچھا۔

"مم۔ مم۔۔ میرا نام ڈاکٹر ڈائمنڈ ہے۔۔ یہ رشید اور وہ مارٹی ہے۔" پہلے غیر ملکی نے، جو ساحر تھا، ہکلاتے ہوئے کہا۔ ساتھ ہی اس نے جبران اور کبیر کا نام بھی بتا دیا۔

"تم تو میرے نام کی بے عزتی ہو۔" ہیرے نے منہ بناتے ہوئے کہا۔ اس شخص کی حالت ہی ایسی تھی کہ ہیرے کے منہ سے بے اختیار یہ جملہ نکل گیا۔

"اوہ۔ تو تم بھی ڈائمنڈ ہو۔ مگر تم دیسی ڈائمنڈ ہو۔۔ میں تو ولائیتی ہوں۔۔ میں نے سنا ہے اس ملک کی دیسی چیزیں زیادہ دیر نہیں ٹکتیں کیونکہ ملاوٹ شروع ہو گئی ہے۔" ساحر نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"فضول بکواس کی ضرورت نہیں۔ دانت توڑ دوں گا۔" ہیرے نے کہا۔

"ہیرے سے دانت تڑوانا بھی نصیب کی بات ہے۔" ساحر نے کہا۔

"باس اس کی انہی باتوں سے استاد مشکوک ہوا تھا۔ ایسے لگتا ہے جیسے اسی ملک کا ہی رہنے والا ہو مگر اس کا چہرہ۔۔۔" ہیرے کے پیچھے کھڑے شخص نے کہا۔

"خبر دار جو تم نے مجھے دیسی ڈائمنڈ بنانے کی کوشش کی۔" ساحر نے چیخ کر کہا۔

"تم کیا کرنے آئے ہو شکار نگر؟" ہیرے نے پوچھا۔

"دیسی ہیرے ڈھونڈنے۔۔" ساحر نے کہا۔

"شٹ اپ۔۔اب زبان چلائی تو گولی مار دوں گا۔" ہیرے نے چیختے ہوئے کہا۔

"ہم حکومت کے ایک پراجیکٹ کے لئے آئے ہیں۔" جبران نے بچاؤ کرتے ہوئے کہا۔

"تو ہوٹل میں تم لوگ کس مشن کی بات کر رہے تھے؟" ہیرے نے پوچھا۔ تو ساحر کے ہونٹ سیٹی کے انداز میں گول ہو گئے۔ اسے اب سمجھ آئی تھی کہ یہ لوگ ان کے بارے میں مشکوک کیوں تھے۔

"تم نے اس بات پہ ہمیں اغوا کیا ہے؟ ہم سرکاری لوگ ہیں، ہم اپنے پراجیکٹ کی

ہی بات کر رہے تھے۔ ہمیں کچھ ہوا تو تم بھی نہیں بچو گے۔" ساحر نے کہا۔

"حکومتی پراجیکٹ پہ تم جیسے لوگ؟ پاگل سمجھ رکھا ہے مجھے۔۔ تم نے میرے چار آدمی مار دیئے۔۔ ایک استاد بچا ہے۔۔ وہ زندہ ہے اسی وجہ سے تم لوگ بھی زندہ ہو۔ ایک بات سمجھ لو کہ یہاں سرکار ہم ہی ہیں۔ ہم جو مرضی کریں۔" ہیرے نے جواب دیا۔

"دیسی ہیرا زیادہ سے زیادہ کیا کر سکتا ہے؟" ساحر نے کہا اور ہیرا آپے سے باہر ہو گیا۔ وہ اٹھا اور ساحر کے سامنے پہنچ کر اس نے لات اٹھائی۔ وہ ساحر کے سینے پہ لات مارنا چاہتا تھا لیکن اگلے ہی لمحے وہ اڑتا ہوا مشین گن والے شخص پہ جا گرا۔ ساحر ہاتھ کھول چکا تھا۔ ہیرے کی کک سے پہلے ہی وہ جمپ لے کر کھڑا ہوا اور ہیرے کو اٹھا کر گن والے پہ پھینک دیا۔ اگلے لمحے جبران اڑتا ہوا ہیرے کے پیچھے کھڑے شخص پہ گرا اور اسے رگیدتا ہوا دیوار کے پاس جا رکا۔ اس نے فوری اپنا سر زور سے اس شخص کی ناک پہ تین چار مارا اور وہ شخص ٹھنڈا ہو گیا۔ پاؤں بندھے

ہونے کی وجہ سے وہ دونوں تیزی سے چل نہیں سکتے تھے۔ ساحر نے ہاتھوں کے بل پہ قلابازیاں مارتے ہوئے آگے بڑھنا شروع کیا۔ اس کا انداز بالکل سرکس کے جوکر کی طرح تھا جو جمناسٹک کے کرتب دکھاتے ہیں۔ اس سے پہلے کے ہیرے اور دوسرے شخص میں سے کوئی گن اٹھاتا، ساحر ان کے سر پہ پہنچ چکا تھا۔ اس نے گن والے کا ہاتھ پکڑ کر تیزی سے بازو کی ہڈی توڑ دی اور گن چھین لی۔ کمرے میں ریٹ ریٹ کی آوازوں کے ساتھ گن والا شخص اور جبران نے جس کو بے ہوش کیا تھا، دونوں کے سینے چھلنی ہو گئے۔ اور ہیرا ابھی تک سکتے کے عالم میں تھا۔ اسے شاید اس طرح کی کاروائی کی امید نہ تھی۔ جبران نے اپنے پاؤں کھولے اور ہیرے کی طرف بڑھا۔ جبران نے ہیرے کو کرسی پہ باندھنا چاہا تو ساحر نے منع کر دیا۔ اس نے ہیرے کو بھی ویسے ہی بندھوایا جیسے انہیں باندھا گیا تھا۔ ساحر نے گن جبران کو دی اور اپنے پاؤں کھولنے لگ گیا۔

"تم باہر کے حالات چیک کرو۔ فائرنگ کی آواز سے اندر کوئی نہیں آیا تو ہو سکتا ہے یہاں اور کوئی بھی نہ ہو۔۔ یا پھر فائرنگ کی امید ہونے کی وجہ سے ادھر کوئی نہ آیا ہو گا۔" ساحر نے کہا۔ جبران باہر نکل

گیا۔۔کبیر کو ساحر نے چیک کیا، اس کی حالت گزارے لائق تھی۔۔ان حالات میں سب کچھ برداشت کرنا بھی ضروری تھا، اور کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔۔ساحر پیچھے ہٹ کر کرسی پہ بیٹھ گیا۔

"تت۔تت۔تمہارے ہاتھ کھل کیسے گئے؟"ہیرے نے پوچھا۔

"یہ معمولی بات ہے۔۔تمہارا باس کون ہے؟"ساحر نے پوچھا۔

"میں نہیں بتاؤں گا۔۔"ہیرے نے ٹھوس لہجے میں کہا۔

"حاکم رانا۔۔تم اسی کے لئے کام کرتے ہو۔۔"ساحر نے کہا۔

"اوہ۔۔تمہیں کیسے پتہ؟"ہیرے نے پوچھا۔

"تم واقعی ذہین ہو۔۔ہم یہاں ایسے ہی منہ اٹھا کر نہیں چلے آئے۔" ساحر نے طنزیہ انداز میں کہا۔ ہیرا چپ ہی رہا شاید اسے طنز کی سمجھ ہی نہیں آئی۔

"لیکن تم لوگ تو غیر ملکی ہو؟"ہیرے نے کہا۔

"ہم اسی ملک کے ہیں۔۔تم چھوڑو اس بات کو۔"ساحر نے کہا۔

"کیا چاہتے ہو مجھ سے؟"اس نے پوچھا۔

"حاکم کا ٹھکانہ۔۔اس کے حفاظتی انتظامات کی تفصیل۔۔۔بس۔"ساحر نے سادگی سے کہا۔ تب تک جبران واپس آچکا تھا۔

"وہ تو سب کو معلوم ہے۔"ہیرے نے کہا۔

"ہاں۔ لیکن وہاں پہ وہ ملتا کم ہے۔۔ مستقل ٹھکانہ بتاؤ۔"ساحر نے کہا۔

"سوری۔۔مجھے نہیں معلوم۔"اس نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

"تمہیں معلوم ہے وہ کن کاموں میں ملوث ہے؟"ساحر نے پوچھا۔

"ہاں۔۔اس کے باوجود وہ ہمارا مائی باپ ہے۔۔اس کے مجھ پہ بہت احسانات ہیں۔"ہیرے نے جواب دیا۔

"تو تم اپنے احسانات چکانے کے لئے لوگوں کی زندگیاں برباد کرتے ہو۔"ساحر نے زہریلے انداز میں کہا۔ ہیرا چپ ہی رہا۔

"جبران اسے کھول دو۔" ساحر نے جبران سے کہا اور ہیرے کی آنکھوں میں حیرت امڈ آئی۔ جبران نے آگے بڑھ کر اسے کھول دیا۔ ہیرا اب کھڑا اپنی کلائیاں مسل رہا تھا۔

"ایک سودا کریں؟"ساحر نے اس سے کہا۔

"کیا سودا؟"اس نے چونک کر پوچھا۔

"اگر تمھیں میرا ساتھی لڑائی میں ہرا دے تو تم حاکم کے بارے میں تفصیل بتاؤ گے۔ اگر تم اسے ہرا دو تو ہم تمہارے حوالے۔۔جو مرضی کرنا۔" ساحر نے سنجیدگی سے کہا۔ ساحر ایک غیر متوقع بات کر رہا تھا۔

"لڑنا ہے تو خود لڑو اس بچے کو کیوں میرے ہاتھوں مروانا چاہتے ہو۔ تم میں میرا سامنا کرنے کا دم بھی ہے۔" اس نے کہا۔

"پھر تو تمھیں سودا کرنے میں ڈرنا نہیں چاہئے۔۔ تم آسانی سے جیت جاؤ گے۔" ساحر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے۔۔ منظور ہے۔ لیکن میں اس پدی کی زندگی کی گارنٹی نہیں دیتا۔ اگر مر گیا لڑائی میں تو پھر نہ کہنا۔" اس نے جبران کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اُن تینوں میں کبیر جسمانی طور پہ زیادہ مضبوط نظر آتا تھا جب کہ جبران تینوں میں سب سے کمزور نظر آتا تھا۔

"منظور ہے۔ اب مشن تمہارے ہاتھوں میں ہے۔" ساحر نے جبران سے کہا۔

جبران جو ہیرے کے ریمارکس سن کر چڑ رہا تھا، آگے بڑھا۔ ہیرا دلچسپی سے اسے دیکھ رہا تھا جیسے کوئی بڑا، بچے کو دیکھتا ہے۔ جبران نے حیرت انگیز تیزی سے فلائنگ کک اس کے سینے پہ ماری۔ اگلا لمحہ اس سے بھی

حیرت انگیز تھا جب ہیرے کی بجائے جبران ہی نیچے گرا۔ ایسے لگ رہا تھا جیسے اس نے دیوار پہ کک کی ہو اور واپس اپنی جگہ پہ گرا ہو۔۔ ہیرا مسکراہٹ کے ساتھ اپنی جگہ پہ جما ہوا تھا۔ جبران تیزی سے دوبارہ آگے بڑھا اور جمپ کر کے ہیرے کے پیٹ میں گھٹنا مارنے کی کوشش کی لیکن اس کے جمپ کرتے ہی اس کے منہ پہ تھپڑ لگا اور وہ حقیقتاً اڑتا ہوا دور جا گرا۔ وہ جمپ لے کر کھڑا ہوا۔ اس کے منہ سے خون لکیر کی صورت میں بہنے لگا۔

"آج تو سب کی شہادت پکی ہے۔" ساحر نے کہا اور اس کے اس جملے نے جبران کے تن بدن میں جیسے آگ لگا دی ہو۔ وہ ہیرے کی طرف دوڑا۔ ہیرا اپنی جگہ سے ہل نہیں رہا تھا۔ اس کو یقین ہو گیا تھا کہ جبران اس کے خلاف کچھ نہیں کر سکتا اور وہ اپنے حساب سے دل بہلا رہا تھا۔ ہیرے سے تھوڑی دور پہنچ کر جبران نے جمپ مارا۔ جتنا ہیرے کا قد بلند تھا، جبران جمپ سے ہی اس کے چہرے یا سر تک پہنچ سکتا تھا۔ ہیرے نے سمجھا کہ وہ چہرے پہ فلائینگ کک کرنے لگا ہے۔ اس کے ہاتھ تیزی سے تھپڑ مارنے کے انداز میں آگے بڑھے۔ لیکن جبران نے جمپ صرف ڈاج دینے کے لئے کیا تھا۔ جمپ اتنا اونچا نہ تھا کہ اسے

ہیرے کا تھپڑ لگتا۔ وہ زمین ہاتھوں کے بل جمپ لیتے ہوئے اس کے دونوں پاؤں ہیرے کی ٹھوڑی پہ زور سے لگے اور وہ چیخ کر پیچھے کو الٹا۔ جبران نے پاؤں زمین پہ لگاتے ہی پھر جمپ لیا اور اس کا زوردار پنچ ہیرے کی گرن پہ پڑا۔ پاؤں کی ضرب سے اس کا منہ اوپر کو اٹھا ہوا تھا ایسے میں گردن کے سامنے والے حصے پہ مکہ پڑتے ہی اس کے حواس گم ہو گئے اور پاؤں لڑکھڑا گئے۔ اسے لڑکھڑاتا دیکھ کر جبران نے دونوں پاؤں جوڑ کر اس کے سینے پہ ضرب لگائی اور وہ زمین بوس ہو گیا۔ جبران نے آگے بڑھ کر اس کے پیٹ میں لات ماری۔ ہیرا تکلیف سے اکٹھا ہو گیا۔ پھر تو جبران جیسے مشین بن گیا۔۔ اس کی ہر چوٹ کا مرکز ہیرے کی پسلیاں تھیں۔۔۔ ہیرے کے منہ سے چیخیں بلند ہو رہی تھیں، اچانک ہوا میں لہراتا ہوا ہاتھ۔۔۔ جبران کی ٹانگوں سے ٹکرایا اور جبران اچھل کر زمین پہ آ گرا۔۔ مگر وہ فوری اچھلا اور کھڑے ہوتے ہی اس نے پیر کی ضرب سے اسے الٹا کیا اور اس کے بازو اسکی پشت کی طرف موڑ کر اس کی کمر پہ کھڑا ہو گیا۔ اس نے زور اسے ہیرے کو اپنی طرف کھینچا۔ اس طرح وہ ہیرے کی ریڑھ کی ہڈی توڑنے والا تھا۔

"بب۔ بب۔ بب۔۔ بس کرو۔۔ میں ہار مانتا ہوں۔" ہیرے کی پھنسی ہوئی آواز نکلی۔ اور جبران نے ساحر کی طرف دیکھا۔

"مجھے بھی مارو گے کیا۔۔" ساحر نے اس کا چہرہ دیکھ کر ڈرنے کی اداکاری کرتے ہوئے کہا۔ جبران نے اس کے بازو کھینچنے شروع کئے۔

"ارے نہیں۔۔ نہیں۔ پہلوان ہار مان گیا ہے۔۔ چھوڑ دو۔" ساحر نے بوکھلائے ہوئے انداز میں کہا اور جبران نے بازو چھوڑ دیئے اور پیچھے ہٹ گیا۔ اس کا سانس پھولا ہوا تھا۔

"گڈ جاب۔" ساحر نے ہیرے کی طرف بڑھتے ہوئے جبران سے مسکرا کر کہا۔

"پپ۔ پپ۔۔ پانی۔۔" جیسے ہی ساحر نے ہیرے کو سیدھا کیا اس کی آواز آئی۔ گردن پہ لگنے والے مکے نے اس کے گلے اور آواز کو نقصان پہنچایا تھا۔ پانی کا سنتے ہی جبران باہر کی طرف بڑھ گیا۔

"تت۔۔ تم لوگ بہت خطرناک ہو۔۔" ہیرے نے کہا۔ اس کا ہاتھ اپنی پسلیوں پہ تھا، شاید کوئی پسلی ٹوٹ گئی تھی۔

"اپنے ملک کے لئے ہم کسی بھی حد تک جا سکتے ہیں۔" ساحر نے کہا۔

"ملک۔۔ اس میں ملک کدھر سے آگیا؟ تم نے صاحب کا کاروبار تباہ کیا ہے۔" ہیرے نے چونک کر کہا۔

"ملک صرف زمین کے ٹکڑے کو نہیں کہتے۔ اس میں بسنے والے لوگوں سے ہی ملک بنتا ہے۔ اور تمہارا باس انہی لوگوں کی زندگیوں سے کھیلتا ہے۔ باہر سے کوئی حملہ کرے تو بھی سمجھ آتا ہے۔ اپنے ہی جب منافق ہو جائیں تو یہ اور بھی خطرناک بات ہے۔ لیکن تم یہ نہیں سمجھو گے۔ تمہیں اپنے مالک سے وفاداری نبھانی ہے۔۔ ملک سے تمہیں کیا۔ "ساحر نے کہا۔ جبران پانی لے آیا تھا۔ ساحر نے ہیرے کو اٹھا کر کرسی پہ بٹھایا اور پانی کی بوتل اس کے منہ سے لگائی۔ ہیرا آرام آرام سے پانی پینے لگا۔ پھر اس نے بوتل کو پیچھے کر دیا۔ ساحر کے اشارے پہ جبران دوبارہ باہر چلا گیا۔

"یہ ملک جتنا تمہارا ہے۔۔ اتنا میرا بھی ہے۔ لیکن جب انسان ہر طرف سے بے بس ہو جائے اور معاشرہ بے حس ہو جائے تو انسان کیا کرے؟" ہیرے نے کہا۔

"اس بات کو وجہ بنا کر تم لوگوں کی عزت اور زندگی سے تو نہیں کھیل سکتے۔" ساحر نے جواب دیا۔

"یہ بار بار تم زندگی اور عزت کا حوالہ کیوں دے رہے ہو؟" ہیرے نے الجھے ہوئے انداز میں کہا تو ساحر چونک گیا۔

"میرے خیال سے تمہیں حاکم کے اصل کاروبار کا علم ہی نہیں۔" ساحر نے کہا۔

"اصل کاروبار۔۔۔ صاحب کا امپورٹ ایکسپورٹ کا کاروبار ہے، اس میں کبھی کبھار سمگلنگ کا کام ہوتا ہے۔" ہیرے نے کہا تو ساحر نے لمبی سانس لی۔

"اصل کاروبار میں بتاتا ہوں تمہیں اور اس بات کا تمہیں ثبوت بھی مل جائیگا۔ ایک طرف تو وہ غیرت مند ہونے کا ڈرامہ کرتا ہے دوسری طرف وہ عزتوں کا کاروبار کرتا ہے۔ یہ قصہ ایک لڑکی کے اغوا سے شروع ہوا تھا۔۔۔۔۔۔" ساحر نے اسے اب تک کی تفصیل بتائی۔

"اب میرے خیال سے تو انسان مجبوری اور بے بسی میں کم از کم یہ تو نہ کرے جو تم کر رہے ہو۔۔ ضروری نہیں کہ انسان ہر کسی سے اچھائی برائی کی جنگ میں ہی لگا رہے۔ جو اس کے بس سے باہر ہے اس کام میں نہ پڑے۔ سب سے آسان حل یہ ہے کہ اگر وہ کسی کا فائدہ نہ کر سکے تو

اسے پھر کسی کا نقصان بھی نہیں کرنا چاہیئے۔" ساحر نے کہا۔ ہیرے کو جیسے سانپ سونگھ گیا۔

"مجھے اپنے باس سے تمہاری وفاداری اور مردوں کی طرح شکست تسلیم کرنا پسند آیا ہے۔ تم اپنے وعدے سے آزاد ہو۔۔ تمہیں اپنے باس سے غداری کرنے کی ضرورت نہیں۔ ہم خود ہی معلوم کر لیں گے۔" ساحر نے سنجیدگی سے کہا۔ اور باہر کی طرف چل دیا۔

"رُکو۔۔" ہیرے کی آواز سنائی دی۔ ساحر رک گیا۔ اس کے چہرے پہ اطمینان بھری مسکراہٹ تھی جسے چھپا کر وہ پیچھے مڑا۔

"تم کیا کرو گے حاکم کے ساتھ؟" ہیرے نے کہا۔ اس بار اس نے صاحب نہیں کہا تھا۔

"وہی جو وہ ملک کے ساتھ کرتا آیا ہے۔" ساحر نے غراتے ہوئے کہا۔

"وہ رات عزت گڑھ میں ہی گزارتا ہے۔ اس کی حویلی سکیورٹی گارڈز سے گِھری رہتی ہے۔ اس کا سب سے بڑا اور طاقتور محافظ وہ علاقہ ہے۔ ہر گھر کا ہر شخص اس کا باڈی گارڈ ہے۔ کسی گھر میں تمہیں پناہ نہیں ملے گی۔ الٹا ہر شخص کوشش کرے گا کہ وہ تمہیں زندہ یا مردہ حاکم کے سامنے پیش کر کے سُرخرو ہو جائے۔ اس علاقے میں جانا ہی ناممکن ہے

اور پھر حاکم کو لے کر واپس آنے کا تو کوئی چانس ہی نہیں۔" ہیرے نے کہا۔ ساتھ ہی اس نے حفاظتی انتظامات کی تفصیل بتا دی۔

"تم یہ سب کیوں بتا رہے ہو؟" ساحر نے مسکرا کر پوچھا۔ ہیرے سے پرخطر تفصیل سن کر بھی اس کے چہرے کی مسکراہٹ ہمیشہ کی طرح جاندار تھی۔

"لڑائی ہارنے پہ اپنا عہد پورا کر رہا ہوں۔ اور میں اپنے گناہوں کا کفارہ ادا کرنا چاہتا ہوں۔" اس نے سر جھکاتے ہوئے کہا۔

"اس کفارے میں اب کسی کو نے لگ کے مت بیٹھ جانا۔ اس جذبے کو زندہ رکھ کے لوگوں کے درمیان، لوگوں کے کام آنا۔" ساحر نے کہا اور کبیر کو کندھے پہ لاد کر باہر کی طرف مڑا۔

"سوری میں عملی طور پر تمہارا ساتھ نہیں دوں گا۔ میں نمک حرامی بھی نہیں کرنا چاہتا۔" ہیرے نے پیچھے سے کہا۔

"مجھے معلوم ہے۔۔ اگر تم ایسا کرتے تو میں تمہاری باتوں پر یقین ہی نہ کرتا۔ مجھے خوشی ہے کہ تم میں انسانیت باقی ہے۔ اب تم ہیرا بنے ہو۔ اصلی ہیرا۔ خدا حافظ۔" ساحر نے رک کر جواب دیا اور باہر نکل گیا۔

"تم جیسے جوہری کا شکریہ جس نے ہیرے کی پہچان کی۔ " اسے ہیرے کی آواز سنائی دی۔

ساحر نے اس کے چہرے اسے اس کی نفسیات کا اندازہ لگا کر جبران سے لڑا دیا ہے، اور ہیرے کی ہار کے بعد جان بوجھ کر اسے جذباتی کرنے کے لئے یہ انداز اپنایا لیکن اس کا خلوص اور احساسِ ندامت دیکھ کر اس کا چہرہ خوشی سے دمک رہا تھا کیونکہ ہیرے کو مارنا بہت آسان تھا۔ لیکن اسے زندہ کرنے میں اسے جو سکون ملا وہ اس کے چہرے پہ مسکراہٹ بن کر چمک رہا تھا۔ ہیرے سے بات کے دوران وہ سمجھ گیا تھا کہ وہ اتنا بھی بد دماغ نہیں جتنا نظر آتا ہے۔ اس کے خیال سے انسان کا مثبت عمل اس کی شخصیت میں نکھار پیدا کرتا ہے وہاں منفی عمل اس کی شخصیت کو مسخ بھی کر دیتا ہے۔ ہیرے کے ساتھ بھی یہی معاملہ تھا۔ ایک ہیرے کے بدلنے سے اس کے آس پاس کافی بدلاؤ آ سکتا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر ہیرا ایسے نہ بھی سب کچھ بتاتا تو وہ تشدد کر کے پوچھ ہی لیتا، اور اگر پھر بھی نہ بتاتا تو کسی اور ذریعے سے معلومات مل جاتی تھیں لیکن اب معلومات ملنے کے ساتھ ساتھ ایک انسان بھی

بہتری کی طرف راغب ہو گیا تھا۔ باہر جبران کو بھی اس نے ساری تفصیل بتائی تو جبران تیزی سے اندر کی طرف دوڑا۔

"کیا ہوا؟" ہیرے نے اسے دوڑ کر آتے ہوئے دیکھ کر پریشانی سے پوچھا۔ اگلے لمحے حیرت سے اس کی آنکھیں پھٹنے کے قریب پہنچ گئیں۔ جبران اس کے گلے لگ گیا تھا۔ پھر جبران نے اسے سلیوٹ مارا اور اسی طرح دوڑتا ہوا باہر چلا گیا۔ ہیرا ہکا بکا کھڑا تھا کہ یہ کیسے لوگ ہیں۔ تھوڑی دیر پہلے تو مرنے مارنے پہ تُلے تھے اب اسے اتنی عزت دے رہے تھے۔ انجانے میں ہی سہی اس نے بہت گناہ کئے تھے۔ اس بات پہ اُس کی آنکھوں میں نمی تھی اور اس نے چھت کی طرف دیکھا جیسے وہ چھت سے پار آسمان کو دیکھ کر شکریہ کہہ رہا ہو کہ اسے اس دلدل سے نکلنے کا موقع مل گیا اور وہ ایک ناسور کا حصہ بننے سے بچ گیا۔

☆

حاکم رانا اپنی حویلی کے آفس نما کمرے میں موجود تھا۔ کمرہ ساؤنڈ پروف تھا۔ وہ ٹی دیکھ رہا تھا۔ اس کے سامنے میز پہ مختلف رنگوں کے فون سیٹ پڑے تھے۔ اس نے سیاہ رنگ کا فون اٹھایا اور کال ملائی۔

"امجد۔ ہیرے کی کوئی خبر ملی؟" اس نے سیکرٹری سے پوچھا۔

"نہیں سر۔۔ ابھی تک کوئی خبر نہیں۔ اس کے کسی ساتھی کو بھی معلوم نہیں۔ اپنی رہائش گاہ پہ بھی نہیں گیا۔ اُس کے ساتھ دو آدمی غائب ہیں۔" امجد نے بتایا۔

"اوکے۔۔ جیسے ہی کوئی خبر ملے مجھے بتانا۔" حاکم نے کال بند کرتے ہوئے کہا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ ہیرا غیر ذمہ دار تو نہیں۔ ضرور کسی جگہ مصروف ہو گا۔ ہیرا کیونکہ زیادہ سوال جواب نہیں کرتا تھا، حاکم کی ہر بات مان جاتا تھا تو حاکم کو اس پہ یقین تھا۔ وہ انہی سوچوں میں گم تھا جب انٹرکام کی گھنٹی بجی۔

"یس۔۔" اس نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

"سر آپ ملنے کیپٹل سٹی سے اخبار والے آئے ہیں۔" ایک نسوانی آواز سنائی دی۔

"میں نے تو کسی کو وقت نہیں دیا ہوا۔" حاکم نے کہا۔

"یس سر۔۔ میں نے بھی یہی کہا ہے ان سے لیکن وہ ضد کر رہے تھے کہ آپ سے بات کراؤں۔" لڑکی نے کہا۔

"اوکے۔۔ کراؤ بات۔۔" حاکم نے چند لمحے سوچنے کے بعد کہا۔

"ہیلو سر۔۔ میں پاشا بات کر رہا ہوں۔۔ میرا تعلق روزنامہ سچ سے ہے۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔ آواز میں احترام کی آمیزش تھی۔

"پاشا صاحب میں وقت دیئے بغیر ملاقات نہیں کرتا۔" حاکم نے نرم لہجے میں کہا۔

"معلوم ہے سر۔۔ لیکن ہم زیادہ وقت نہیں لیں گے۔ ہم اپنے ہفتہ وار میگزین میں مختلف علاقوں کی بااثر شخصیات پہ خصوصی مضمون لکھ رہے ہیں۔ ہم اس میں آپ کا انٹرویو شائع کرنا چاہتے ہیں۔" اس شخص نے کہا۔

"اگر آپ لوگ انتظار کر سکتے ہیں تو تھوڑی دیر انتظار کریں۔ اگر وقت نکل آیا تو ملاقات ہو جائے گی ورنہ آپ کو خالی ہاتھ جانا پڑے گا۔" اس نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے جناب۔۔ہم انتظار کرتے ہیں۔" دوسری طرف سے پرُامید لہجے میں جواب آیا اور حاکم نے فون بند کر دیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ بِنا کوئی محنت کئے ملک کا ایک بڑا اخبار اس کی پبلسٹی کرنا چاہتا ہے تو یہ اس کے لئے سنہری موقع ہے۔ اس طرح علاقے کی عزت بھی ہو گی اور علاقے والوں میں اس کی عزت پہلے سے بڑھ جائے گی۔ ان سوچوں میں گم اچانک وہ کھٹک گیا۔۔ اس کے خلاف کچھ لوگ کام کر رہے تھے اور ایسے وقت میں صحافیوں کا آنا مشکوک محسوس ہوا تو اس نے فون کا ریسیور اٹھایا اور نمبر ملایا۔

"یس سر۔۔۔" امجد کی آواز آئی۔

"امجد کیپیٹل سٹی سے معلوم کرو کہ ان کا کون سا صحافی شکار گڑھ کی طرف کام کر رہا ہے آج کل۔" حاکم نے کہا اور ریسیور رکھ دیا۔ تقریباََ دس منٹ کے بعد فون پہ کال آئی تو اس نے ریسیور اٹھایا۔

"یس۔۔۔"

"سر۔۔۔ کوئی پاشا نامی رپورٹر شکار گڑھ کی طرف کام کر رہا ہے۔۔ کوئی مضمون لکھ رہے ہیں۔" امجد کی مودبانہ آواز سنائی دی۔

"اوکے۔۔۔" حاکم نے مطمئن لہجے میں جواب دیا اور ریسیور رکھ دیا۔

اب وہ اخبار والوں پہ اپنی مصروفیت کا رعب ڈالنا چاہتا تھا اس لئے وہ ان کو کچھ دیر انتظار کرایا۔ آدھا گھنٹہ ٹی وی دیکھنے کے بعد اس نے فون پہ اخبار والوں کو اندر بھیجنے کا کہا۔ ساتھ ہی اس نے ان کی تفصیلی چیکنگ کا بھی کہا۔ تھوڑی دیر بعد دروازے پہ ستک ہوئی تو وہ اٹھ کر اپنی بڑی سی چیئر پہ بیٹھا۔ اور میز کے ساتھ لگا مائیک اٹھا کر اندر آنے کا کہا۔

"السلام علیکم جناب۔۔" اندر داخل ہوتے ہوئے پہلے درمیانی عمر کے شخص نے کہا۔ وہ اپنے انداز سے بہت تجربہ کار انسان لگتا تھا۔ اس کے پیچھے ایک نوجوان ایک بیگ تھامے اندر داخل ہوا۔

"وعلیکم السلام۔۔ تشریف رکھیں۔" حاکم نے کرسیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"میرا نام پاشا ہے اور یہ میرا اسسٹنٹ باشا ہے۔ ہم زیادہ وقت نہیں لیں گے۔ اگر

آپ اجازت دیں تو ہم چاہتے ہیں کہ آپ کا انٹرویو ریکارڈ بھی کریں تا کہ کوئی پوائنٹ مس نہ ہو۔" پاشا نے سنجیدگی سے کہا۔

"کیا مطلب۔۔ باشا کیسا نام ہے؟" حاکم نے حیرت سے کہا۔

"باشا نہیں۔۔پاشا۔ سر۔" اس نے کہا۔

"نہیں۔ آپ نے اپنا نام پاشا اور اسسٹنٹ کا نام باشا کہا۔" حاکم نے کہا۔

"اوہ۔۔سوری۔۔روانی میں منہ سے نکل گیا۔ اس کا نام فیروز ہے۔" پاشا نے اپنا چشمہ ناک پہ ایڈجسٹ کرتے ہوئے کہا۔

"اوکے۔۔ آپ ریکارڈ کر سکتے ہیں۔" حاکم نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تھینک یو جناب۔۔پتاسا۔۔سوری فیروز۔۔بیگ سے مائیک دو اور کیمرہ نکال کر ایڈجسٹ کرو۔۔" پاشا نے روانی میں کہا۔ فیروز نے ایک چھوٹا سا مائیک پاشا کو پکڑایا اور خود اٹھ کر کیمرہ سیٹ کرنے لگ گیا۔

"یہ مائیک آپ کے کالر پہ سیٹ کرنا ہے اگر آپ کو کوئی پریشانی نہ ہو تو۔۔" وہ حاکم کو مکمل پروٹوکول دے رہا تھا۔

"نو پرابلم۔۔لگا لیں۔" حاکم نے کہا۔ پاشا اٹھ کر حاکم کی طرف بڑھا۔ اس نے حاکم کے کالر کے ساتھ مائیک سیٹ کرنا شروع کیا۔ جب پاشا مائیک سیٹ کر رہا تھا تو حاکم کے منہ سے سسکاری نکلی۔

"سوری سر۔۔رئیلی سوری سر۔۔مائیک پھسل گیا تھا کالر سے۔" پاشا نے معذرت بھرے لہجے میں کہا۔

"کوئی بات نہیں۔ آپ آرام سے سیٹ کر لیں۔" حاکم نے خود کو کنٹرول کرتے ہوئے اخلاق بھرے لہجے میں کہا۔

"سر آپ کے بارے میں تو سنا تھا کے آپ بہت غصے والے ہیں۔ لیکن آپ تو بہت اچھے ہیں۔" فیروز نے کہا۔

"لوگ اپنے چند لمحوں کے تجربے کی بِنا پہ کسی بھی انسان کی پوری شخصیت کے متعلق رائے قائم کرتے ہیں۔ جو میرے نزدیک درست نہیں۔" حاکم نے مسکرا کر کہا۔

"ویری گڈ پوائنٹ سر۔۔" فیروز نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"کیا آپ لوگوں کو بھی زلزلہ محسوس ہو رہا ہے؟" حاکم نے غور سے ادھر اُدھر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں۔۔ یہ صرف آپ کو محسوس ہو گا۔ آپ اونچا اڑ رہے تھے اب کریش لینڈنگ کا وقت آگیا ہے۔" پاشا نے مسکرا کر کہا۔

"مم۔ مم۔۔ مجھے کیا ہو رہا ہے۔۔ مجھ سے ہلا بھی نہیں جا رہا۔۔" حاکم نے پریشان ہوتے ہوئے کہا۔

"ہم آپ کی ملک کے لئے خدمات کے عوض آپ کا شکریہ ادا کرنے کے لئے آپ کو پارٹی میں لے جانے آئے ہیں۔" پاشا نے کہا۔

"کک۔ کک۔۔ کون ہو تم لوگ؟" حاکم اتنا کہہ کر کرسی پہ ہی ڈھیر ہو گیا۔

"کبیر۔ جبران کو کاشن دو۔۔ ہری اپ۔ جلد ہی یہ بے ہوش ہو جائے گا۔" پاشا نے جو کہ ساحر تھا، فیروز سے کہا۔ اور فیروز نے سر ہلاتے ہوئے واچ ٹرانسمیٹر پہ جبران کو کاشن دیا۔ ساحر نے جلدی سے اس کمرے کی اور حاکم کی تلاشی لی اور اہم نظر آنے والے کاغذات اور دراز میں سے ملنے والے ٹیبلٹ نما لیپ ٹاپ کو اپنے بیگ میں منتقل کیا۔ ساحر دوڑتا ہوا باہر ریسپشن کے طور پہ استعمال ہونے والے کمرے میں پہنچا اور تیزی سے ہراساں انداز میں حاکم کے بارے میں بتایا۔ ہر طرف بھونچال آ گیا تھا۔ سب حاکم کے کمرے کی طرف دوڑے۔ ریسپشن گرل نے ایمبولینس کے لیے کال کی۔ حاکم اپنی کرسی پہ بے ہوش پڑا ہوا تھا۔ ساحر اور کبیر نے اپنی صحافت سمیٹ کر بیگ میں بند کی۔ تھوڑی ہی دیر میں سائرن کی آواز سنائی دی۔ گاؤں کے ہیلتھ کیئر سے ایمبولینس دروازے پہ پہنچ چکی تھی۔ حاکم کے گارڈز نے اسے سٹریچر پہ لٹا کر ایمبولنس میں ڈالا۔ اور گاڑیوں کا ایک چھوٹا سا قافلہ ہسپتال کی طرف چل پڑا۔ ابتدائی چیک اپ میں ہی ڈاکٹر نے بتا دیا کہ یہ اس کے بس

کی بات نہیں۔ حاکم کو شکار نگر لے کر جانا ضروری تھا۔ گاڑیوں کا قافلہ دوبارہ چل پڑا۔ ایمبولینس کی وجہ سے ٹریفک چھٹتی جا رہی تھی۔ سب سے آگے گارڈز کی جیپ پھر ایمبو لینس جبکہ ساحر اور کبیر کی گاڑی تیسرے نمبر پہ ساتھ ساتھ جا رہی تھی۔ ہسپتال جانے کے لئے لوکل سڑک سے ہی جا سکتے تھے۔ پہلے نمبر والی جیپ تیزی سے آگے بڑھ رہی تھی۔ جیسے ہی جی ٹی روڈ سے لنک سامنے آیا ایمبولینس لوکل روڈ چھوڑ کر جی ٹی روڈ پہ چڑھ گئی۔ اس کے پیچھے ہی ساحر اور کبیر کی گاڑی بھی بڑھ گئی۔ آگے جانے والی جیپ والوں کا دھیان سامنے والی ٹریفک کو ہٹانے پہ مرکوز تھا۔ انہیں ایمبولینس کے غلط ٹریک پہ جانے کی خبر نہ ہونے کی وجہ سے وہ ناک کی سیدھ میں جیپ دوڑائے جا رہے تھے جبکہ پیچھے آنے والی دو گاڑیاں ایک بار جھٹکا کھا گئیں۔ یہ اصل میں ڈرائیورز کو لگنے والے جھٹکے کا نتیجہ تھا جو ایمبولینس کے امید کے خلاف آگے بڑھنے پہ لگا تھا۔ اگلے ہی لمحے وہ گاڑیاں ایمبولینس کے پیچھے دوڑ پڑیں۔ پھر بھی سپیڈ پکڑتے پکڑتے انہیں کافی وقت لگ گیا۔ شہر ساتھ ہونے کے وجہ سے روڈ پہ رش بھی کافی تھا۔ ساحر اور کبیر کی کار ایمبولنس سے آگے نکل گئی۔ ایمبولینس تیزی سے کار کا پیچھا کرتے ہوئے آگے بڑھتی ہوئی ایک

لنک روڈ سے شہر میں داخل ہو گئی۔ تھوڑا آگے بڑھ کر گاڑی ایک بڑی گلی میں مڑی۔ گلی میں تھوڑی دیر چلتے رہنے کے بعد ایک کھلے دروازے سے کوٹھی کے گیراج میں داخل ہو گئی جہاں ساحر اور کبیر کی گاڑی پہلے ہی موجود تھی۔ کبیر کوٹھی کے دروازے کے پاس ہی تھا اس نے دروازہ باہر سے بند کیا اور لاک کر کے دیوار پھلانگ کر اندر داخل ہو گیا۔ ایمبولینس کا ڈرائیور جو کہ جبران تھا، تیزی سے نکلا۔ تینوں نے چہروں پہ میک اپ ماسک تبدیل کیے اور جلدی سے لباس تبدیل کیا۔ حاکم کو گاڑی سے نکال کر اسے کاندھے پہ اٹھا کر کوٹھی کی دیوار کی طرف بڑھ گئے۔ دیوار پھلانگ کر دوسری کوٹھی میں پہنچ گئے۔ ساحر کے ہاتھ میں بیگ تھا۔ یہ دونوں فرنشڈ کوٹھیاں کرائے کے لئے خالی تھیں جنہیں انہوں نے عارضی طور پہ استعمال کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ ساتھ والی کوٹھی میں کبیر اور جبران چھپ کر نگرانی پہ مامور ہو گئے۔ ساحر، حاکم کو کمرے میں لے جا کر ایک کرسی پہ باندھنے لگا۔ کرسی پہ باندھ کر وہ خود صوفے پہ بیٹھ گیا۔ بیگ کھولا اور حاکم کے کمرے سے ملنے والے کاغذات کا مطالعہ کرنے لگ گیا۔ کاغذات کے بعد اس نے لیپ ٹاپ آن کیا۔ لیپ ٹاپ پہ پاس ورڈ لگا تھا۔ لیکن یہ اس کے لئے معمولی بات

تھی۔ اس نے تھوڑی ہی دیر میں لیپ ٹاپ کا پاس ورڈ کھول لیا تھا۔ لیپ ٹاپ کو اچھی طرح کھنگالنے کے بعد اس نے کاغذات اور لیپ ٹاپ بیگ میں رکھے اور ایک انجکشن نکال کر حاکم کو لگایا۔ تھوڑی دیر بعد حاکم کے جسم میں ہوش میں آنے کے اثرات ظاہر ہونے لگے۔ ساحر غور سے اسکی طرف دیکھ رہا تھا۔ ہوش میں آتے ہی اس نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن بندھے ہونے کی وجہ سے ایسا نہ کر سکا۔ پھر اس نے سامنے بیٹھے ساحر کی طرف دیکھا۔ اس کے انداز میں بے چینی نظر نہیں آتی تھی۔

"کہاں ہوں میں؟" اس نے سخت انداز میں پوچھا۔

"جہاں میں ہوں۔" ساحر نے اطمینان سے کہا۔

"اور تم کہاں ہو؟" اس نے غرا کر کہا۔

"جہاں تم ہو۔۔" ساحر نے سادگی سے کہا۔

"کیا چاہتے ہو؟" اُس نے چند لمحے خاموش رہنے کے بعد پوچھا۔

"ویری گڈ۔۔ مجھے ایسے لوگ پسند ہیں جو کام کی بات کرنے کو ترجیح دیتے ہیں۔" ساحر نے مسکرا کر کہا۔

"اگر تمہیں تاوان کی رقم چاہیئے تو تم نے غلط جگہ ہاتھ ڈالا ہے۔" حاکم نے اطمینان سے کہا۔

"تمہیں تاوان کے لئے نہیں اٹھایا گیا۔۔ شاید تمہیں معلوم ہے کہ ہم کون ہیں۔" ساحر نے مسکرا کر کہا۔

"میں نہیں جانتا تمہیں۔۔" اس نے جواب دیا لیکن وہ سمجھ گیا تھا کہ سامنے بیٹھا نوجوان کس بارے میں بات کر رہا ہے۔

"تمہیں کیا لگتا ہے کہ تاوان کے لئے تمہارے قلعے میں کوئی گھسے گا؟۔" ساحر نے کہا۔

"میرے کئی دشمن ہیں کوئی بھی گھٹیا حرکت کر سکتا ہے۔" اس نے کہا۔

"نہیں۔ یہ گھٹیا حرکت ہم نے کی ہے۔۔ ہمارا تعلق تمہارے دشمنوں سے نہیں۔ بلکہ تمہارا تعلق ہمارے دشمنوں سے ہے۔" ساحر نے کہا۔

"میں سمجھا نہیں۔۔" حاکم نے کہا۔

"میرے سامنے شریف ہونے کا ڈرامہ نہ ہی کرو تو اچھا ہے۔ میں تمہاری اصلیت جانتا ہوں۔" ساحر نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

"تم مجھے حویلی سے کیسے نکال لائے، وہاں تو گارڈز کی فوج ہے۔۔ تمہیں کسی نے روکا نہیں؟" اس نے پوچھا۔ وہ پریشان بالکل بھی نہیں لگ رہا تھا۔

"روکنا کیوں ہے۔۔ تم بمعہ بارات شہر لائے گئے ہو۔" ساحر نے کہا۔

"کیا مطلب ہوا اس کا۔۔" اس نے الجھے ہوئے انداز میں پوچھا۔ اور ساحر نے

اسے تفصیل بتائی کہ کیسے وہ اُسے حویلی سے لے کر آئے۔ اس نے جان بوجھ کر تفصیل بتائی تھی تا کہ حاکم ذہنی طور پہ پریشان رہے کہ اسے بچانے والا کوئی بھی نہیں اور نہ ہی کسی کو اس کے بارے میں معلوم ہے۔

"تم نے مجھے بے ہوش کیسے کیا تھا؟" حاکم نے پوچھا۔

"مائیک کے ساتھ ایک سوئی پہ دوائی لگی تھی جس سے تمہارے دل کی دھڑکن نارمل سپیڈ سے ہلکی ہو گئی تھی۔ مطلوبہ مقدار میں خون نہ ملنے کو وجہ سے تمہارا دماغ اور جسم کمزور ہو گیا تھا۔ اور تم بے ہوش ہو گئے۔ مجھے معلوم تھا کہ چھوٹے ہسپتال میں اس مسئلے کی تشخیص ہی نہ وہ سکے گی۔ اس لئے وہ شہر کی طرف ریفر کریں گے۔ شہر کی بھیڑ کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ہم تمہیں یہاں لے آئے۔ یہ کوٹھی خالی تھی۔ اب باہر گیٹ پہ تالا ہے۔ کسی کو امید بھی نہیں ہو گی کہ تم تالا لگی کوٹھی میں ہو۔ یہاں میں نے تمہیں اینٹی انجیکٹ کیا اور تم ہوش میں آ گئے۔" ساحر

نے جواب دیا۔

"ایسا نہیں ہو سکتا۔۔ یہ صرف فلموں میں ہوتا ہے۔" اس نے بے چین ہوتے ہوئے کہا۔ پہلے تو وہ بس وقت ضائع کر رہا تھا۔ اسے امید تھی کہ جلد ہی اس کے لوگ پہنچ جائیں گے۔ لیکن جب اسے معلوم ہوا کہ وہ اپنے قصبے کی بجائے شہر میں ہے اور کسی کو اس کی خبر بھی نہیں، اس کا اعتماد ٹوٹنے لگا۔

"زندگی سب سے بڑی فلم ہے۔ ایسا ہو چکا ہے۔ اب کام کی بات کرتے ہیں۔ زندہ رہنا چاہتے ہو یا مرنا چاہتے ہو؟" ساحر نے کہا۔

"تمہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے نوجوان۔ تم شاید غلطی سے مجھے اٹھا لائے ہو۔۔ ابھی بھی وقت ہے مجھے چھوڑ دو۔۔ میری حیثیت تو تم جان ہی چکے ہو۔ میں تمہیں معاف کر دوں گا۔۔" حاکم نے کہا۔

"تم کوئی کھلونا تھوڑی ہو کہ غلطی سے اٹھا لیا گیا ہے۔۔ اتنا بڑا اقدم کوئی غلطی سے نہیں اٹھاتا۔۔ رہی بات حیثیت کی۔۔ تو جیسے ہم تمہیں بِنا کسی رکاوٹ کے اٹھا کر لے آئے اس سے تم اپنی حیثیت اچھی طرح جان چکے ہو۔ تم مجھے سچ سچ سب کچھ بتا دو۔۔ میں تمہیں زندہ چھوڑ دوں گا۔۔" ساحر نے کہا۔

حاکم نے ہونٹ بھینچ لئے۔ نوجوان اس کی توقع سے زیادہ تیز تھا۔ اور جس طرح اُنہوں نے حاکم کو حویلی سے بِنا کسی رکاوٹ کے نکالا تھا، حاکم لاشعوری طور پہ خوفزدہ ہو چکا تھا۔ اسے نظر آرہا تھا کہ یہ لوگ اس کی پہنچ سے باہر ہیں۔ اس کے ذہن میں دھماکے ہو رہے تھے۔ اپنے بچنے کا کوئی راستہ اسے سجھائی نہ دے رہا تھا۔ آج تک وہ پولیس سے لے کر غنڈے بدمعاشوں تک سب کا سامنا کر چکا تھا۔ لیکن جو ہمت اسے سامنے بیٹھے نوجوان میں نظر آرہی تھی وہ اسے دہشت زدہ کر رہی تھی۔ لیکن وہ اتنی آسانی سے ہار ماننے والا نہیں تھا۔ اس نے بھی فیصلہ کر لیا تھا کہ مر جائے گا لیکن بتائے گا کچھ بھی نہیں۔

"تو تم فیصلے کر چکے ہو کے تم لوگوں کے اغوا کرنے کے بارے میں کچھ نہیں بتاؤ گے؟" ساحر نے مسکرا کر کہا۔

"تت۔۔تت۔۔ تمہیں کیسے معلوم ہوا۔۔مم۔۔مم ۔۔ میرا مطلب ہے کہ کیا نہ بتانے کا فیصلہ؟" حاکم نے ہکلاتے ہوئے پوچھا۔ اس کے رہے سہے ہوش بھی ہوا ہو گئے۔ اسے یوں لگا جیسے وہ نوجوان اس کا دماغ پڑھ سکتا ہے۔ نوجوان کی ہر بات اس کا حوصلہ پست کر رہی تھی۔

"تمہارے چہرے کے تاثرات دیکھ کر۔۔ چھوڑو۔۔ تمہارے علاوہ کون

کون شامل ہے اس کام میں؟" ساحر نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"میرا ایسا کوئی کام نہیں۔" اس نے کہا۔

"تمہارے چہیتے جابر نے ہمیں سب کچھ بتا دیا ہے۔" ساحر نے مسکرا کر کہا۔

"سوری۔۔ میں کسی جابر کو نہیں جانتا۔" اس نے کہا۔ حاکم کو نجانے کیوں وہ نوجوان حواس پہ چھانے والا لگ رہا تھا۔ حاکم کے ہر انکار پہ بھی وہ بیٹھا مسکرا رہا تھا جیسے وہ کسی بچے سے کھیل رہا ہو۔

"ہیرا ہمارے قبضے میں ہے، اس نے ہمیں سب کچھ بتا دیا ہے۔" ساحر نے کہا۔

"ہیرا تو اس بارے میں کچھ نہیں۔۔۔۔" حاکم کے منہ سے نکلا اور اس نے تیزی سے منہ بند کر لیا۔ اب اسے غلطی کا احساس ہوا۔

"گڈ۔۔ تو تم مان گئے کے تم اس کام میں ملوث ہو۔ اب جلدی سے اپنے ساتھیوں کے بارے میں بتاؤ۔۔" ساحر نے پچکارتے ہوئے کہا۔

"اتنے ذہین ہو، یہ بھی خود معلوم کر لو۔۔" اس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"گولڈ مین کون ہے؟" ساحر نے سادہ لہجے میں کہا۔

"تت۔ تت۔۔ تم کیا چیز ہو؟" حاکم نے بمشکل بولتے ہوئے پوچھا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اس کا طنز اسے اس طرح سے بھاری پڑے گا۔

"انسان ہوں۔۔ لیکن میرے پاس اتنا وقت نہیں کہ تمہاری حیرت دیکھتا رہوں۔ کون ہے گولڈ مین؟" ساحر نے اس بار سخت لہجے میں کہا۔

"تم میرے ساتھ شامل ہو جاؤ۔۔ ایسا ذہین شخص میں آج تک نہیں دیکھا۔ ہم دونوں کی زندگی بن جائیگی۔" حاکم نے کہا۔

"میں لعنت بھیجتا ہوں ایسی زندگی پر۔۔ دنیا مجھ سے بہتر لوگوں سے بھری پڑی ہے، میں ان کے ساتھ کیوں نہ مل جاؤں۔ تمہارا یہ حربہ مجھ پہ کام نہیں کرے گا۔ جو پوچھا ہے وہ بتاؤ۔" ساحر نے غراتے ہوئے کہا۔

"مجھے نہیں معلوم۔۔" حاکم نے دوٹوک جواب دیا۔

"اوکے۔۔" ساحر نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا اور باہر نکل گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں چھوٹی سی ہتھوڑی تھی۔

" سوری۔۔ تمہارے سائز کا کچھ ملا نہیں ۔۔ اسی سے کام چلا لیتے ہیں۔" ساحر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اس سے میں نہیں ڈرتا۔۔" حاکم نے مضبوط لہجے میں کہا۔

"میں تمہیں ڈرانا بھی نہیں چاہتا۔۔ میں چاہتا ہوں کہ تم جب بھی ہنسو۔۔ کھل کے ہنسو۔۔ تمہاری ہنسی میں دانت بھی رکاوٹ نہ بنیں۔" ساحر نے ایک ہاتھ سے اس کا سر پکڑ کر ہتھوڑی بلند کرتے ہوئے کہا۔ اس سے پہلے کے حاکم کوئی جواب دیتا۔ ہتھوڑی اس کے کان کے نیچے، جبڑے کے آخری سِرے پہ پڑی اور اسکا گال پھٹ گیا۔ اس کے منہ سے چیخ اور خون، اکٹھے نکلے۔ خون کے ساتھ ہی ایک دانت اچھل کر سامنے فرش پہ گرا۔

"پریشان نہیں ہونا۔ اگر تمہارے بتیس دانت ہیں تو جلدی ہی کام ختم ہو جائے گا۔" ساحر نے زہریلے لہجے میں کہا اور دوبارہ حاکم کا سر پکڑ کر اگلی ضرب لگائی۔ ایک اور دانت باہر گرا۔۔ حاکم کی حالت غیر ہو رہی تھی۔

"تھوڑی دیر انجوائے کرو۔۔ چیک کرو کہ ہنسی پہلے سے بہتر ہے یا نہیں۔ پھر اگلی شفٹ شروع کرتے ہیں۔" ساحر نے پیچھے ہٹ کر بیٹھتے ہوئے کہا۔ حاکم کچھ اناپ شناپ بکے جا رہا تھا لیکن خون سے منہ بھرا ہونے کی وجہ سے کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی۔

"میرا خیال ہے کہ تمہارے سگنل کمزور ہو گئے ہیں۔ آواز ٹھیک طرح نہیں آ رہی۔ جب تم کچھ بتانا چاہو تو ہاں میں سر ہلا دینا۔ ورنہ میں تو اپنا

کام پورا کروں گا۔" ساحر نے اٹھتے ہوئے کہا۔ اس کو اٹھتا دیکھ کر حاکم نے زور آزمائی شروع کر دی لیکن وہ کھل نہیں سکتا تھا۔ ساحر نے مضبوطی سے اس کا سر پکڑا اور اگلی ضرب لگا دی۔

"سوری۔۔ دانت نہیں نکلا اس بار۔۔ تمہارے لئے ایک ضرب بڑھ گئی ۔ اب تمہارے چہرے کی دوسری سمت کی باری ہے۔" ساحر نے کہا اور اس کا سر قابو کرنا چاہا تو اس نے زور زور سے سر ہلانا شروع کر دیا۔

"اوہ۔۔ ابھی تو دو نکلے ہیں۔۔ کس منہ سے کھل کر مسکراؤ گے۔۔؟" ساحر نے پریشان لہجے میں کہا لیکن حاکم سر ہلاتا رہا۔ ساحر باہر کی طرف دوڑا۔ ایک پانی کی بوتل پکڑے وہ اندر داخل ہوا اور پہلے حاکم کا منہ صاف کرایا پھر اسے پانی پلا دیا۔ خون اور پانی مکس ہونے کے باوجود وہ پانی پیتا چلا گیا۔

"تو۔۔۔ شروع ہو جاؤ۔۔ اگر کہیں مجھے لگا کہ تم جھوٹ بول رہے ہو یا بات چھپا رہے ہو تو میں پھر شروع ہو جاؤں گا۔" ساحر نے کرخت لہجے میں کہا۔

"یہ کام ہم نے آج سے چار سال پہلے شروع کیا تھا۔ میں ، جابر۔۔۔۔۔۔۔۔۔" حاکم نے رک رک کر تفصیل بتانی شروع کی۔

ساحر سپاٹ چہرے کے ساتھ سنتا گیا۔ اور سوالات پوچھتا گیا۔

" تمھیں گولڈ مین کا کیسے پتہ چلا؟" حاکم نے اپنی بات ختم کرتے ہوئے پوچھا۔

"تمہارے لیپ ٹاپ میں موجود تمہارے بنک اکاؤنٹ کی بیلنس شیٹ سے۔" ساحر نے جواب دیا۔

"وہ تو دونوں پاس ورڈ سے محفوظ تھیں۔ اور پاس ورڈ بھی صرف مجھے معلوم ہے۔" حاکم نے حیران ہو کر پوچھا۔

"تمہاری حویلی بھی محفوظ ہی تھی۔" ساحر نے مسکرا کر کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

"تم نے وعدہ کیا تھا کے تم مجھے نہیں مارو گے۔" حاکم نے تیزی سے کہا۔

"بالکل ۔۔میں تمہیں چھوڑ رہا ہوں۔" ساحر نے کہا اور باہر نکل گیا۔

حاکم کا ذہن

فوری طور پہ بدلہ لینے کا پلان بنانے لگا۔ تھوڑی دیر بعد اندر ایک اور نوجوان داخل ہوا۔

"تمھیں آزاد کرنے کا وقت آ گیا ہے۔" اس نوجوان نے کہا۔

"شکریہ۔۔۔" حاکم نے کہا۔ وہ نوجوان حاکم کے پاس آیا اور ایک ہاتھ اس کے کندھے پہ رکھا اور دوسرے سے سر کو پکڑا۔

"تم جیسے لوگ ملک اور معاشرے پہ بدنما داغ ہوتے ہیں۔ تمھیں مستقل آزادی مبارک۔۔" کہہ کر اس نے حاکم کی گردن توڑ دی۔ اور نفرت سے ہاتھ جھاڑتا ہوا باہر نکل گیا۔

☆

کار تیزی سے روشن گڑھ کی سڑک پہ دوڑتی ہوئی جارہی تھی۔ کار کے شیشے سیاہ رنگ کے تھے اور ڈرائیور سنہرے نقاب میں تھا۔ یہاں تک کے اس نے ہاتھوں پہ سنہرے دستانے بھی پہن رکھے تھے۔ کار شہر کی ایک مشہور کالونی میں داخل ہوئی اور ایک بڑی سے قلعہ نما عمارت کے سامنے رک گئی۔ ہارن دینے پہ گیٹ پہ موجود گارڈ نے ایک جالی سے جھانکا اور پھر جلدی سے گیٹ کھول دیا۔ گاڑی گیراج میں پہنچی۔ نقاب پوش تب تک گاڑی میں ہی رہا جب تک اس کے پیچھے گیراج کا دروازہ بند نہ ہو گیا۔ پھر وہ گاڑی سے نکلا اور گیراج سے ہی تہ خانے کا دروازہ کھول کر وہ سیڑھیاں اترتا گیا۔ سامنے ایک سرنگ نظر آئی۔ وہ اس میں چلتے ہوئے کافی فاصلے پہ دوبارہ آنے والی سیڑھیوں سے اوپر چڑھنا شروع ہو گیا اور ایک مخصوص کمرے میں پہنچا۔ وہاں سے وہ راہداری میں نکلا۔ یہ کوئی اور ہی کوٹھی تھی۔ وہ اس کوٹھی کے تہ خانے کی طرف بڑھا۔ تہ خانے میں دو نقاب پوش پہلے سے موجود تھے۔ ان کے نقاب سیاہ رنگ کے تھے سنہرے نقاب پوش کی آمد پہ بھی

دونوں اپنی جگہ پہ بیٹھے رہے، جس سے معلوم ہوتا تھا کہ تینوں برابر حیثیت کے مالک ہیں۔

"ہم لوگ اس وقت خطرے میں ہیں۔" سنہرے نقاب والے نے خالی کرسی پہ بیٹھتے ہوئے کہا۔ اس نقاب پوش کو گولڈ مین کہا جاتا تھا۔

"خطرہ؟ کس قسم کا خطرہ؟" پہلے نقاب پوش نے چونکتے ہوئے کہا۔

"مسٹر بی ون۔۔ ہمارا روشن گڑھ اور شکار نگر والا سیٹ اپ تباہ ہو چکا ہے۔ جابر غائب ہے جبکہ شکار نگر میں ہمارا جو اہم مہرہ، حاکم رانا تھ، ا اس کی آج لاش ملی ہے۔ اس پہ تشدد بھی کیا گیا ہے اور گردن توڑ کے ہلاک کیا گیا ہے۔ اسے بہت ذہانت کے ساتھ اس کی حویلی سے نکالا گیا تھا، معلوم ہوا ہے کہ اس سے ملنے دو صحافی آئے تھے اور۔۔۔۔۔۔" گولڈ مین نے حاکم کے بارے میں تفصیل بتائی۔

"ویری سٹرینج۔۔ بہت تیز دماغ والے لوگ ہیں۔ اس طرح کے لوگ تو حکومتی ایجنسیوں میں ہوتے ہیں۔ تم تو آسانی سے معلوم کر سکتے ہو کہ وہ کون ہیں۔۔" دوسرے نقاب پوش نے کہا۔

"میں نے بہت کوشش کی ہے بی ٹو۔۔ لیکن ان کا تعلق کسی ایجنسی سے نہیں اور نہ ہی کوئی حکومتی ادارہ ہمارے خلاف کام کر رہا ہے۔ یہی سب

سے بڑا مسئلہ ہے کہ ان کا پتہ ہی نہیں کہ وہ کون لوگ ہیں۔ کسی جگہ ایک شخص سامنے آیا ہے کسی جگہ دو۔۔ لیکن یہ کام ایک دو لوگوں کا نہیں۔ اس میں کافی لوگ ملوث ہیں۔" گولڈ مین نے کہا۔

"اب اس کا کیا حل ہے؟" بی ون نے پریشانی سے پوچھا۔

"شکار گڑھ سے انہیں گولڈ مین سے متعلق ہی کلیو ملا ہوگ، ااس کا مجھے اندازہ

ہے۔ میں اس کلیو کو ان کے لئے ٹریپ بناؤں گا۔" گولڈ مین نے کہا۔

"خیال رکھنا کہ الٹا ہم نہ سب کی نظروں میں آ جائیں۔ اتنے سال کی محنت ضائع ہو جائے۔ جو عزت بنی ہے وہ بھی نہ جاتی رہے۔" بی ٹو نے کہا۔

"فکر مت کرو۔۔ تمہیں بلانے کا مقصد تھا کہ تم لوگ الرٹ رہو۔ اور اس سے بھی اہم مسئلہ ہے کہ ہم اپنا نیٹ ورک دوبارہ بنانا ہے۔ اس کے لئے کچھ لوگ میں نے دیکھے ہیں۔ تم لوگ بھی ان کو چیک کر لو۔" گولڈ مین نے میز پہ پہلے سے پڑی فائلز کی طرف اشارہ کیا۔

بی ون اور بی ٹو نے پہلے آنے کے باوجود ان فائلز کو ہاتھ نہ لگایا تھا۔ اب گولڈ مین کے اشارہ کرنے پہ انہوں نے ایک ایک فائل پکڑی اور پڑھنے لگ گئے۔

"ٹھیک ہے۔۔ ہم انہیں چیک کر لیتے ہیں۔" دونوں نے کہا۔

"اوکے۔۔ کوئی مسئلہ ہو یا کچھ مشکوک بات ہو تو مجھے ضرور بتانا۔" گولڈ مین نے کہا اور وہ دونوں اٹھ کھڑے ہوئے۔ کیونکہ انہیں گولڈ مین کے انداز سے پتہ چل گیا تھا کہ میٹنگ برخاست ہو چکی ہے۔ ان کے جانے کے بعد بھی گولڈ مین کافی دیر بیٹھا رہا۔ پھر وہ اٹھ کر تہ خانے سے نکلا۔ اسی کوٹھی کے آفس نما کمرے میں پہنچا۔ کرسی پہ بیٹھتے ہی اس نے ریسیور اٹھا کر کال ملائی۔

"راجو بول رہا ہوں۔" ایک کرخت آواز سنائی دی۔

"جی۔ ایم۔۔ سپیکنگ۔۔" اس نے سخت لہجے میں کہا۔

"یس باس۔۔" راجو کا لہجہ یکدم مودبانہ ہو گیا۔

"گولڈن کلب میں ریڈ الرٹ کا کاشن دو۔ کچھ لوگ حملہ کر سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حملے کی بجائے کسی کو خاموشی سے اغو

اکرنے کی کوشش کی جائے۔ اگر ایسا ہو تو مجھے وہ لوگ زندہ چاہیئں۔" اس نے کہا۔

"یس باس۔۔ ان لوگوں کے بارے میں کوئی معلومات؟" راجو نے کہا۔

"نہیں۔ ایک ہی پوائنٹ ہے کہ وہ جی۔ ایم کو ڈھونڈتے آئیں گے۔ اس کے علاوہ وہ تربیت یافتہ لوگ ہیں۔ عام غنڈے مت سمجھنا۔" اس نے کرخت لہجے میں کہا۔

"یس باس۔۔ آپ بے فکر رہیں۔" راجو نے کہا۔ اس کے انداز سے لگتا تھا کہ اس کے لئے یہ عام بات ہے۔

"جابر کو جانتے ہو تم۔ سٹی ہوٹلز کا مالک؟" باس نے سخت لہجے میں کہا۔

"یس باس۔ وہ بہت خطرناک قاتل اور چھلاوہ تھا۔" راجو نے جیسے جھرجھری لیتے ہوئے کہا۔

"اس کو ان لوگوں نے ختم کیا ہے۔" اس نے کہا۔

"اوہ۔۔" راجو کے منہ سے حیرت کے مارے اتنا ہی نکل سکا۔

"تمھیں اس لئے بتا رہا ہوں کے تم انہیں آسان شکار نہ سمجھنا۔" اس نے کہا۔

"یس باس۔۔ شکریہ۔ اب میں پورا زور لگا دوں گا۔" راجو نے کہا تو گولڈ مین نے کال بند کر دی۔ وہ چند لمحے کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھا رہا جیسے کچھ سوچ رہا ہو۔ پھر وہ جیسے چونک کر سیدھا ہوا۔ اس نے دوبارہ ایک نمبر ملایا۔

"یس گولڈن کلب۔" ایک محتاط نسوانی آواز سنائی دی۔

"جی۔ ایم۔۔ سپیکنگ" اس نے کرخت لہجے میں کہا۔

"یس باس۔۔" دوسری طرف سے خوفزدہ آواز سنائی دی۔

"تمہاری طرف سے کوئی نئی رپورٹ نہیں آئی۔" اس نے ڈانٹنے والے انداز میں کہا۔

"بب۔ باس سب نارمل ہے۔ اس لئے کوئی رپورٹ نہیں دی۔" لڑکی نے ہکلاتے ہوئے جواب دیا۔

"اوکے۔۔ اگر روٹین سے ہٹ کر کلب کے مینجر یا اسسٹنٹ سے ملنے کے لئے پوچھے تو سب سے پہلے مجھے انفارم کرنا ہے تم نے۔ میرے سیل پہ۔" اس نے سختی سے کہا۔

"یس باس۔۔ میں فوری بتا دوں گی۔" لڑکی نے کہا۔

"گڈ۔ اس میں ہی تمہارا فائدہ ہے۔" اس نے کہا اور کال بند کر دی۔ اب وہ مطمئن تھا جیسے مستقبل کے خطرے کو ختم کر چکا ہو۔ وہ اٹھا اور جس راستے سے آیا تھا اسی سے واپس اپنی گاڑی میں پہنچا۔

وہ گاڑی لے کر وہ سڑک پہ پہنچا اور نقاب اتار کر سائیڈ پہ رکھ دیا۔ وہ چہرے سے ہی کوئی کھاگ انسان معلوم ہوتا تھا، اس وقت اس کے چہرے پہ معصومیت طاری تھی، رکھ رکھاؤ سے وہ بہت امیر انسان نظر آرہا تھا، اس کی کار کی پچھلی سیٹ کے ساتھ نیلے رنگ کی ایک بتی پڑی تھی جسے وہ ضرورت پڑنے پہ وہ گاڑی کی باڈی پہ رکھ کر افسرانہ پروٹوکول بھی حاصل کر سکتا تھا۔

☆

وہ تینوں واپس روشن گڑھ پہنچ چکے تھے۔ حاکم سے ملنے والی معلومات کے مطابق، اس کیس کا اصل مجرم (گولڈ مین) روشن گڑھ میں ہی موجود تھا جہاں سے عصمت کو تلاش کرتے ہوئے انہوں نے اس کیس میں ہاتھ ڈالا تھا۔ روشن گڑھ آتے ہی انہوں نے گولڈن کلب کا سرسری سا جائزہ لے لیا تھا۔ معلومات کے مطابق اس کلب کا، اس کیس سے براہِ راست تعلق تھا۔ یہ بھی سننے میں آتا تھا کہ گولڈن کلب کا مالک، گولڈ مین ہی ہے، مگر یہ سنی سنائی بات تھی۔ انہیں گولڈ مین کی ہی تلاش تھی اس وجہ سے انہوں نے بھی گولڈن کلب سے شروعات کرنے کا فیصلہ کیا۔

اس وقت وہ ایک کرائے کی رہائش گاہ پہ موجود تھے اور اپنی اصل شکلوں میں تھے۔ کبیر اور ساحر بیٹھے باتیں کر رہے تھے جبکہ جبران چائے بنانے کچن میں گیا ہوا تھا۔

"اب ہمیں گولڈن کلب جانا ہے؟" جبران نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"اپنی عمر دیکھو اور اپنے شوق دیکھو۔۔" ساحر نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

"عمر کو کیا ہوا؟" جبران نے حیرت سے کہا۔

"دانت سفید ہو چکے ہیں، ابھی تک کلبوں کا چسکا لگا ہوا ہے۔" ساحر نے جیسے طعنہ دیا۔ اس نے محاورے کا بھی کباڑا کر دیا تھا۔

"تم مجھ سے بڑے ہو۔" جبران نے کہا۔

"تو میں کون سا کلب جانے کا کہہ رہا ہوں۔" ساحر نے مسکرا کر کہا۔

"میں کیس کے سلسلے میں پوچھ رہا تھا۔" جبران نے بھی مسکرا کر کہا۔

"ہم نے سوچ رہے تھے کہ حاکم کے بارے میں خبر تو ان لوگوں کو بھی مل گئی ہو گی۔ ڈائریکٹ کلب میں جانے سے اب وہ ہمیں ٹریپ بھی کر سکتے ہیں۔" کبیر نے کہا۔

"تو پھر کیس آگے کیسے بڑھے گا؟" جبران نے حیرت سے پوچھا۔

"تم نے دانت دھوپ میں تو سفید کیے نہیں ہوں گے۔ خود سوچو۔" ساحر نے کہا۔

"اوہ۔۔ تو تم کسی کی رہائش گاہ پہ حملہ کرو گے؟۔" جبران نے کہا۔

"کہا تھا نہ بچہ بڑا ہو گیا۔ رہائش گاہ پہ ہی حملہ کریں گے۔" ساحر نے مسکرا کر پہلے کبیر اور پھر جبران سے کہا۔

"رہائش گاہ کہاں پہ ہے؟" جبران نے پوچھا۔

"جہاں ہمارا شکار رہتا ہے، وہاں پہ رہائش گاہ ہے۔" ساحر نے جواب دیا۔

"رہائش گاہ ٹریس کرنی پڑے گی۔" کبیر پھر بول پڑا۔

"یار۔ تم سے صبر نہیں ہوتا۔ بات کا مزہ خراب کر دیتے ہو۔" ساحر نے جان بوجھ کر منہ بناتے ہوئے کہا۔

"کلب میں تو ہمارے لئے خطرہ ہے۔ تم اور کبیر جا کر کسی چھوٹے لیول پہ کام کرنے والے ملازم سے معلومات لو۔ کلب کے مینجر اکبر کی رہائش گاہ اور فون نمبر کا پتہ کرو۔ اگر وہاں سے پتہ نہ چلے تو کلب کے کسی ویٹر یا ویٹرس تک رسائی حاصل کرنا۔ لیکن اس انداز میں کام کرتے ہوئے کہیں چوکنا مت اور تیز رفتاری بہت ضروری ہے، ورنہ خود ٹریپ میں آ جاؤ گے۔ باقی سچوئیشن کے حساب سے جو بہتر لگے کر لینا۔ اگر کسی سے رہائش گاہ کا پتہ چلے تو اس سے پھر رہائش گاہ کی سکیورٹی کے بارے میں بھی پوچھ گچھ کرنا۔" ساحر نے کہا۔

"اوکے۔۔" کبیر نے جواب دیا۔

"اگر کسی کے پاس بہتر آئیڈیا ہے تو وہ بتا سکتے ہو۔" ساحر نے سنجیدگی سے کہا۔

"نہیں۔ یہی پلان ٹھیک ہے۔۔ تم کیا کرو گے؟" جبران نے پوچھا۔

"میں آرام کروں گا۔ چلو۔۔ تمہارا ماسک میک اپ کر دوں۔" ساحر نے مسکرا کر کہا تو وہ دونوں اٹھ کھڑے ہوئے۔ تھوڑی دیر میں دونوں میک اپ میں باہر نکل گئے۔

"تم لوگوں کا اکیلے کام کرنا بھی ضروری ہے۔ " ساحر نے بڑبڑاتے ہوئے کہا اور ماسک میک اپ کر کے خود بھی نکل گیا۔ اس کا رخ اُس پولیس اسٹیشن کی طرف تھا جہاں سے یہ سارا قصہ شروع ہوا تھا۔ ویٹنگ ایریا میں اپنی باری کے لئے اس نے کافی انتظار کیا اور پھر اپنی باری پہ دفتر میں داخل ہوا۔ سامنے موجود اہلکار کو وہ پہچان گیا۔ یہ ارشد تھا، جسکا حلیہ جبران اسے پہلے ہی بتا چکا تھا۔

"جی میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟" اس نے پوچھا۔

"مجھے انسپکٹر کبیر نے بھیجا ہے۔" ساحر نے کہا۔

"انسپکٹر کبیر۔۔۔ ہاں یاد آیا۔۔ وہ کیپٹل سٹی والے۔۔ فرمائیں۔" ارشد نے کہا۔

"اس شہر میں گولڈن کلب ہے۔ اس کا مینجر ہے اکبر۔۔اس کی رہائش گاہ کا پتہ اور فون نمبر چاہیئے۔" ساحر نے آگے جھک کر رازدانہ انداز میں کہا۔

"آپ مجھے تھوڑا وقت دیں، میں معلوم کر دیتا ہوں۔ ویسے یہ وہی کیس چل رہا ہے ابھی تک کرم داد والا؟" اس نے پوچھا۔

"جی ہاں۔۔اسی کیس کی ایک کڑی ہے۔ انسپکٹر کبیر نے آپ کی بڑی تعریف کی ہے اور آپ نے واقعی بہت مدد کی۔" ساحر نے دل سے اس کی تعریف کرتے ہوئے کہا۔

"یہ تو میرا فرض ہے۔" ارشد کا چہرہ چمک اٹھا تھا۔

"آپ میرا نمبر رکھ لیں۔ جیسے ہی خبر ملے مجھے کال یا میسج کر دیں۔ لیکن خیال

رکھیں کہ یہ راز ہی رہے۔ ورنہ فائدے کی بجائے نقصان ہو جائیگا۔" ساحر نے نمبر دیتے ہوئے کہا۔

"آپ بے فکر رہیں۔ سب کام رازداری سے ہو گا۔" اس نے کہا تو ساحر مصافحہ کر کے باہر کو چل دیا۔ لیکن وہ دروازے کے پاس پہنچ کر مڑا۔

"یہاں کوئی ایسا بھی ہے جو گولڈن کلب کا دشمن ہو یا ان سے نفرت کرتا ہو؟" ساحر نے ارشد کے پاس آتے ہوئے پوچھا۔

"ایک منٹ سوچنے دیں۔۔۔" اس نے سوچتے ہوئے کہا۔

"ایک کلب ہے۔۔ گیم کلب۔۔ کسی لڑکی کی وجہ سے گولڈن کلب کے راجو اور گیم کلب کے مالک آصف مرزا کے درمیان جھگڑا ہوا تھا۔ آصف مرزا آج تک بدلے کی آگ میں جھلس رہا ہے کیونکہ وہ لڑکی راجو لے اڑا تھا۔" ارشد نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا۔

"اس لڑکی کا نام اور کلب کا ایڈریس بھی بتا دیں۔" ساحر نے کہا۔

"شکریہ ارشد صاحب۔" ارشد کے پتہ بتانے پہ ساحر الوداع کہتا ہوا نکل آیا۔ گاڑی کا رُخ اس نے گیم کلب کی طرف موڑا۔

☆

گولڈن کلب میں شہر کے جانے مانے بدمعاشوں کا مسکن تھا۔ منشیات کا استعمال، اس کلب میں آکسیجن کا درجہ رکھتا تھا۔ ہر میز پہ گاہک کی

استعداد کے مطابق یہ آکسیجن موجود تھی۔ آکسیجن کے استعمال کے بعد بدمعاش اپنے اپنے انداز میں صلوٰتیں سنا رہے تھے۔ کچھ تو اس بات پہ مصر تھے کہ وہ جان بوجھ کر لوگوں کے سامنے گانا نہیں گاتے، ورنہ آج ان کے نام کا ڈنکا بجتا۔۔ جب ایسے ڈینگ مارنے والے کو کوئی جھٹلاتا تو وہ باضابطہ طریقے سے میز پہ چڑھ کر۔۔ اپنی دردناک آواز میں گانا سناتا۔۔ گانا سنانے کے بعد۔۔ دردناک آواز میں سے۔۔ درد باقی رہ جاتا۔۔ اور وہ اپنی ناک پہ ہاتھ رکھے، خون کو روکنے کی کوشش میں باتھ روم کی طرف دوڑ لگاتا کیونکہ کسی نہ کسی کو اس کی دردناک آواز پہ اعتراض پیدا ہو جاتا اور پھر مکا یا بوتل اس سِنگر اعظم کی ناک کی تواضع کے لئے حاضر ہو جاتا۔

کلب کے مرکزی دروازے سے دو افراد اندر داخل ہوئے۔ انہوں نے رک کر کلب کے ہال کا جائزہ لیا اور ناک سکیڑتے ہوئے وہ کاؤنٹر کی طرف بڑھ گئے۔ کاؤنٹر پہ موجود پہلوان نما شخص کی چھوٹی چھوٹی آنکھیں ان پہ جم گئیں۔ وہ شاید اس کلب میں نئے تھے جس وجہ سے پہلوان انہیں بغور دیکھ رہا تھا۔

"مینجر سے ملنا ہے۔۔" کاؤنٹر پہ پہنچتے ہی ان دونوں میں سے لمبے تڑنگے شخص نے کہا جبکہ دوسرا لاپرواہی سے کلب کے ہال کی طرف ہی متوجہ تھا۔

"کیوں ملنا ہے؟" پہلوان نے پھاڑ کھانے والے لہجے میں پوچھا۔

"خاص بزنس کی ڈیل ہے۔" اس شخص نے ایک آنکھ کا کونہ دباتے ہوئے کہا۔

"بھاگ جاؤ۔۔ شکل دیکھی ہے اپنی۔۔۔ خاص بزنس۔۔" پہلوان نے حقارت بھرے لہجے میں کہا، اس نے ابھی اتنا کہا ہی تھا کہ چٹاخ کی آواز کے ساتھ وہ پہلوان جھٹکا کھا کر پیچھے دیوار سے جا ٹکرایا۔۔ اس کا ہاتھ اپنے بائیں گال پہ تھا۔ آنکھوں میں پہلے حیرت اور اگلے ہی لمحے آگ جلتی نظر آئی۔

"تم آج یہاں سے زندہ واپس نہیں جا سکو گے۔" وہ غرایا۔

"شکر کرو کے تمہیں میں نے ایک تھپڑ مار کر بخش دیا ہے۔۔ ورنہ کیپٹل سٹی کے اکبر خان کے سامنے تم جیسے مچھر جھاڑو دیتے نظر آتے ہیں۔" اس شخص نے غرور بھرے لہجے میں کہا تو پہلوان اس کے ریمارکس سن کر طیش میں آکر کاؤنٹر سے نکلا۔۔ کاؤنٹر سے نکلتے ہوئے اس نے

کاؤنٹر پہ پڑا ہوا گلدان اٹھا کر اکبر کی طرف دے مارا۔۔ اکبر آرام سے ایک طرف ہوا۔۔ ساتھ ہی اس کی ٹانگ حرکت میں آئی، اس کی طرف دوڑتا ہوا پہلوان اچھل کر پشت کے بل زمین پہ جا گرا۔۔ دھماکے کی آواز سن کر ہال میں موجود سارے کے سارے سنگر چپ ہو گئے، سب اپنی کرسیوں سے کھڑے ہو کر کاؤنٹر کی طرف متوجہ ہو ئے۔ ان میں سے چند ایک جارحانہ موڈ میں آگے بڑھے تو پہلوان نے انہیں ہاتھ کے اشارے سے روکا۔

"یہ میرا شکار ہے۔" وہ غرایا۔

"چچ۔۔ چچ۔۔ جسم تو سانڈ کی طرح پالا ہوا ہے اور کتوں کی طرح زمین چاٹ رہے ہو۔" اکبر نے کہا اور خود تیزی سے آگے بڑھا۔۔ اس کی ٹانگ دوبارہ حرکت میں آئی تو اٹھتے ہوئے پہلوان نے بھی تیزی کا مظاہر کرتے ہوئے اس کی ٹانگ پکڑی۔۔ اس نے ٹانگ کو موڑ کر اکبر کو گرانے کی کوشش کی۔۔ اکبر مڑتی ہوئی ٹانگ کے ساتھ گھوما ضرور ۔۔ مگر گرنے کی بجائے اس نے ہوا میں ہی اپنے جسم کو رول کیا اور اس کا دوسری ٹانگ پہلوان کے چہرے پہ تڑاخ سے ٹکرائی۔ پہلوان نے چیخ مار کر اپنے دونوں ہاتھوں میں چہرہ تھاما۔ اسی وقت اکبر آگے بڑھا، اس

نے ایک ہاتھ اس پہلوان کی گردن پہ ڈالا اور دوسرے سے پہلوان کی ران کو پکڑا، اس نے جھٹکے سے پہلوان کا اٹھایا اور دور اچھال دیا۔۔ بھاری بھرکم پہلوان اڑتا ہوا سامنے موجود میز پہ ٹکرایا۔۔ اس میز پہ کھڑا اسنگر۔۔ جو چپ چاپ لڑائی دیکھ رہا تھا، وہ پہلوان کے ساتھ ہی زمین بوس ہوا۔

میز کے دھماکے کے ساتھ ہی مشین پسٹل چلنے کی آواز سنائی دی۔ اکبر کے ساتھی کے ہاتھ میں پسٹل چمک رہا تھا۔۔ اس کا نشانہ سامنے موجود غنڈہ تھا، جس کا ہاتھ جیب میں تھا، جیب کا ابھار بتا رہا تھا کہ وہ غنڈہ پسٹل نکالنے کے فراق میں مارے گیا ہے۔ اسی وقت کاؤنٹر پہ موجود فون کی گھنٹی بجی۔۔ پہلوان جو دوبارہ حملہ کرنے کی تاک میں تھا، چابی والے کھلونے کی طرح رکا، گھنٹی مسلسل بج رہی تھی، پہلوان تیزی سے کاؤنٹر کی طرف بڑھا۔

"یس باس۔۔" پہلوان نے مودبانہ لہجے میں کہا۔ وہ فون شاید اس کے باس کے لئے مخصوص تھا، اسی وجہ سے وہ حملہ کرنے سے باز آ گیا تھا۔

"باس اس کا نام اکبر ہے۔۔ کیپٹل سٹی سے آیا ہے۔۔ کہتا ہے کوئی بڑی ڈیل ہے۔" اس نے دوسری طرف سے بات سن کر جواب دیا۔

"مم۔۔ مم۔۔ مگر باس۔۔۔" پہلوان کے چہرے کا رنگ بدلنے کے ساتھ ساتھ آواز میں ہکلاہٹ بھی شامل ہو گئی۔

"یس باس۔۔ میں بھیجتا ہوں۔۔" اس نے جواب دیتے ہوئے ریسیور رکھ دیا۔

"سوری۔۔۔ میں آپ کو جانتا نہیں تھا۔۔ باس آپ کو اپنے دفتر میں بلا رہے ہیں۔" پہلوان نے اکبر کی طرف مڑ کر مودبانہ لہجے میں کہا۔ اسے باس نے شاید اکبر خان کی تاریخ بتادی تھی جس وجہ سے پہلوان دب سا گیا تھا۔

"انہیں باس کے دفتر چھوڑ آؤ۔" پہلوان نے ایک طرف کھڑے مرنجان مرنج شخص سے کہا تو وہ سر ہلاتے ہوئے لفٹ کی طرف بڑھا۔ کچھ دیر کے بعد وہ اس شخص کی معیت میں ایک کمرے کے دروازے پہ تھے۔ اس شخص نے ان دونوں کو اندر جانے کا اشارہ کیا تو وہ سر ہلاتے ہوئے اندر داخل ہوئے۔ اندر کمرے میں اونچی نشست والی کرسی پہ ایک باڈی بلڈر ٹائپ شخص بیٹھا ہوا تھا، اس کی کرسی کے ساتھ ہی ایک لڑکی چپکی کھڑی تھی۔ وہ دونوں اندر داخل ہوئے اور اطمینان بھرے

انداز میں اس شخص کے سامنے، میز کی دوسری طرف موجود خالی کرسیوں پہ براجمان ہوئے۔

"میرا نام اکبر ہے، میں اس کلب کا مینجر ہوں۔" اس نے آنے والوں میں سے لمبے تڑنگے شخص سے مخاطب ہو کر کہا۔ اس کی نظروں کا مرکز بھی وہی لمبا تڑنگا شخص تھا۔

"میرا نام بھی اکبر ہے۔ لمبے بزنس کی بات ہے، تم اس لڑکی کو کچھ دیر کے لئے یہاں سے بھیج دو۔" آنے والوں میں سے پہلوان کی ٹھکائی کرنے والے نے کہا، وہ

دونوں کبیر اور جبران تھے۔

"ہنی۔۔ تم پرائیویٹ روم میں جاؤ۔۔ میں آتا ہوں۔" اس نے مسکرا کر کہا تو لڑکی ہوائی بوسہ دیتی ہوئی سائیڈ روم کی طرف بڑھ گئی۔

"بولو۔۔" اکبر مسکرایا۔

"گولڈ مین کہاں ہے؟" کبیر نے بغیر لگی لپٹی کے براہِ راست مدعا بیان کیا۔

"کک۔۔۔ کون گولڈ مین؟۔۔" اکبر گڑبڑایا۔

"سونے کا آدمی۔۔۔" جبران نے شرارتی لہجے میں کہا۔

"تمہیں کیوں تلاش ہے اس کی؟" اکبر نے سنبھلتے ہوئے پوچھا۔

"کچھ کام کی باتیں کرنی ہیں۔۔ وقت ضائع مت کرو۔" کبیر نے کھڑے ہوتے ہوئے سخت لہجے میں کہا۔

"میرے پاس ضائع کرنے کے لیے وقت نہیں ہوتا۔" اکبر نے معنی خیز لہجے میں کہا، اس سے پہلے کہ مزید کوئی بات ہوتی۔۔ دروازہ کھلا اور چار پانچ افراد ہاتھوں

میں اسلحہ تھامے اندر داخل ہوئے۔

کبیر نے انہیں دیکھ کر طویل سانس لیا، مشین گنیں دیکھ کر بھی دونوں کے چہرے نارمل ہی تھے جیسے اپنے دوستوں میں ہوں۔ اسلحہ بردار افراد نے ان کے گرد گھیرا ڈال لیا۔

"انہیں سپیشل روم میں لے جاؤ۔۔ دھیان سے لے کر جانا۔۔ بہت بڑی ہستیاں ہیں یہ۔" اکبر نے طنزیہ لہجے میں کہا تو گن برداروں کے اشارے پہ وہ دونوں دروازے کی طرف مڑے۔ وہ شاید خود ہی اغواء ہونا چاہ رہے تھے۔ چلتے ہوئے جیسے ہی وہ دروازے کے پاس پہنچے، دونوں کے سروں پہ دھماکے ہوئے۔۔ سر پہ لگنے والی ضربیں اتنی شدید تھیں کہ وہ سچ مچ ایک ایک ضرب میں ہی ڈھیر ہوگئے۔ گن برداروں

نے انہیں کاندھوں پہ ڈالا اور کمرے سے نکل کر عقبی طرف موجود مخصوص سیڑھیوں سے اترتے ہوئے وہ ایک تہ خانے میں پہنچے۔ تہ خانے میں انہوں نے کبیر اور جبر ان کے ہاتھوں کو سامنے کی طرف ہی مضبوطی سے باندھا، پھر ان کے پاؤں کو مضبوطی سے باندھ کر۔۔۔ رسیوں کو چھت پہ موجود فولادی کنڈوں میں سے گزار کر کھینچنا شروع کیا۔۔ کچھ ہی لمحوں میں وہ دونوں چھت سے الٹے لٹکے ہوئے تھے۔

انہیں لٹکانے کے بعد گن برداروں نے کمرے کی سائیڈوں میں پڑے دیگوں کے نیچے رکھے جانے والے بڑے بڑے چولہے ان کے سروں کے نیچے رکھے جن کے ساتھ گیس کے پائپ موجود تھے۔ ان چولہوں پہ انہوں نے کسی مائع کے بڑے بڑے ٹب اٹھا کر رکھے۔ یہ سب انتظامات کرنے کے بعد ان میں سے ایک نے چولہے جلا دیئے۔۔ جبکہ دوسرا انٹرکام کا ریسیور اٹھا کر کال کرنے میں مصروف ہو گیا۔

ان دونوں نے ساحر کی طرف سی دی گئی گائیڈ لائن پہ تھوڑا سا کام کیا تھا۔ جب انہیں محسوس ہوا کہ اس طرح جاسوسی کرکے اکبر یاراجو کے

بارے میں معلومات اکھٹی کرنا وقت ضائع کرنے کے مترادف ہے تو ان دونوں نے ڈائریکٹ ایکشن کا پلان بنایا اور سیدھے اکبر کے دفتر جا دھمکے۔۔ حالانکہ انہوں نے خود ہی سوچا تھا کہ کلب میں انہیں ٹریپ کیا جاسکتا ہے پھر بھی نجانے کیوں وہ کلب چلے آئے۔۔

ان دونوں نے تو پتہ نہیں کیا سوچ کر اغواء ہونے کا رسک لیا تھا مگر یہ رسک ان کے گلے پڑتا نظر آرہا تھا۔۔۔

* * *

ساحر، ارشد کے بتائے ہوئے گیم کلب کے کمپاؤنڈ میں داخل ہوا۔ گیم کلب کی عمارت واقعی شاندار تھی اور کلب اونچے درجے کا لگتا تھا۔ سامنے نظر آنے والے چہرے بھی شرافت بھرے ہی تھے۔ وہ پارکنگ میں کچھ دیر بیٹھ کے سوچ میں ڈوبا رہا۔ پھر اس نے گاڑی کی سیٹ کے نیچے سے میک اپ باکس نکالا۔ ماسک اتار کر اس نے تیزی سے میک اپ کرنا شروع کیا۔ میک اپ کرنے کے بعد اس نے چہرے پہ دوبارہ ایک ماسک ایڈجسٹ کرنا شروع کر دیا۔ ڈبل میک اپ کر کے اس نے شیشے میں چہرے کا جائزہ لیا اور گاڑی پارک کرنے کے بعد وہ کلب کے ریسیپشن کاؤنٹر پہ پہنچا۔

"مجھے آصف مرزا سے ملنا ہے۔" ساحر نے کہا۔

"آپ نے باس سے وقت لیا ہوا ہے؟" ریسپشن گرل نے پوچھا۔

"نہیں۔ اسے کہو گولڈن کلب کے راجو کے حوالے سے بات کرنی ہے۔" ساحر نے کہا۔ لڑکی نے سر ہلاتے ہوئے ریسیور اٹھایا اور کال ملا دی۔

"باس۔۔ ایک صاحب آئے ہیں۔ آپ سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ گولڈن کلب کے راجو کے بارے میں کوئی بات ہے۔" لڑکی نے کہا۔

"یس باس۔۔" لڑکی نے کہا اور ریسیور رکھ دیا۔

"اگر آپ کے پاس اسلحہ ہے تو مجھے دے دیں۔" لڑکی نے کہا اور ساحر نے پسٹل نکال کر اسے دے دیا۔

"لفٹ سے دوسری منزل۔۔ روم نمبر فور۔ آخری کمرہ ہے۔" لڑکی نے کہا اور ساحر شکریہ کہتا ہوا لفٹ کی طرف بڑھا۔ روم نمبر فور پہ کوئی نیم پلیٹ وغیرہ نہ تھی۔ ساحر نے دستک دی اور اندر داخل ہو گیا۔ سامنے بڑی سے میز کے پیچھے کرسی پہ ایک سخت چہرے والا شخص بیٹھا ہوا تھا۔ یہ آصف مرزا تھا، اس کلب کا مالک۔

"کیسے ہو پیارے باس؟" ساحر نے چہکتے ہوئے پوچھا۔

"میرے پاس فضول باتوں کا وقت نہیں۔ کیا بات کرنی ہے؟" آصف مرزا نے ناگواری سے کہا۔

"یہ کیا بات ہوئی۔ مہمان کو بندہ چائے پانی ہی پوچھ لیتا ہے۔ جتنا بڑا کلب اور اُتنی بڑی کنجوسی۔" ساحر نے منہ بناتے ہوئے کہا۔ وہ آصف مرزا کے سامنے والی کرسی پہ بیٹھ چکا تھا۔

"کلب کی طرف سے ہی ہال میں جا کر پی لو۔ میں یہاں اس کام کے لئے نہیں بیٹھا ہوا۔" اس نے منہ بنا کر کہا۔ اس کا شاید موڈ خراب ہو گیا تھا۔

"اپنے ہاتھوں سے پلاؤ۔ میں نے سنا ہے تمہارے ہاتھوں کی چائے میں عجیب کشش ہے۔" ساحر نے لہجے میں عاشقی سموتے ہوئے کہا۔

"گٹ آؤٹ۔۔ ورنہ گولی مار دوں گا۔" اس نے دراز سے پسٹل نکال کر چیختے ہوئے کہا۔ لیکن اگلے لمحے اس کا منہ حیرت سے کھل گیا جب ساحر کرسی سے اٹھا اور آصف مرزا کے ہاتھ سے پسٹل ایسے نکلا جیسے گیلا صابن ہاتھ سے نکلتا ہے۔

"تو تم اس میں چائے بناتے ہو۔ ویری گڈ۔ یہ مشین تو ہر گھر میں ہونی چاہیئے۔" ساحر نے کرسی پہ بیٹھتے ہوئے پسٹل کو غور سے دیکھ کر کہا۔

"اوہ۔۔ منہ بند کر لو۔۔ چائے کپ میں ہی ملے گی۔ ڈائریکٹ منہ میں نہیں ڈالی جا سکتی۔۔ گرم ہوتی ہے۔" ساحر نے آصف مرزا کے کھلے منہ کو دیکھ کر کہا اور آصف مرزا نے شرمندگی سے منہ بند کر لیا۔ ساحر نے پسٹل دوبارہ آصف مرزا کی طرف بڑھا دیا۔ آصف مرزا کی حیرانگی مزید بڑھ گئی۔

"کون ہو تم؟" آصف مرزا نے پوچھا۔

"تم گولڈن کلب اور راجو سے بدلا لینا چاہتے ہو؟" ساحر نے الٹا اس سے سوال کر دیا۔

"تم پہلے اپنا بتاؤ۔۔ کون ہو تم؟" آصف مرزا نے کہا۔

"میرا نام پاشا ہے۔ میرا تعلق شکار نگر سے ہے۔ ہم دونوں کا دشمن ایک ہے۔ اس لئے میں تمہارے پاس آیا ہوں۔" ساحر نے کہا۔

"تمہارے انداز سے تو لگتا ہے کہ تم خود یہ کام کر سکتے ہو۔ پھر میرے پاس آنے کا مقصد؟" آصف مرزا نے پوچھا۔

"کچھ کام میں کر سکتا ہوں، کچھ تم۔ جیسے میں راجو اور اس کے کلب کو تباہ کر سکتا ہوں۔ لیکن اس کے لئے اسلحہ اور درست معلومات ضروری ہیں۔ معلومات تم دے سکتے ہو۔" ساحر نے کہا۔

"میں تم پہ بھروسہ کیسے کروں؟ یہ میرے لئے جال بھی تو ہو سکتا ہے۔۔" آصف مرزا نے کہا۔ اور ساحر نے چہرے سے ماسک اتار دیا۔ ماسک اترتے دیکھ کر آصف مرزا کے آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

"تت۔ تت۔ تم کون ہو؟" آصف مرزا نے حیرانی سے کہا۔

"اب تم میرا اصلی چہرہ دیکھ رہے ہو۔ عملی طور پہ میں نے تمہیں پسٹل والا چھوٹا سا کرتب دیکھا دیا ہے۔ اگر تمہیں مزید اعتماد کی ضرورت ہے تو شاید تم سٹی ہوٹلز کے مالک جابر کو جانتے ہو گے۔ انڈر ورلڈ میں اس کا خطرناک قاتل کے طور پہ بہت چرچا ہے۔ اسے میں نے مارا ہے۔" ساحر نے کہا۔ ڈبل میک اپ میں ہونے کی وجہ سے ساحر ابھی بھی میک اپ میں ہی تھا۔

"مگر وہ تو لا پتہ ہے۔ مارا ہوتا تو لاش سامنے آتی۔" آصف مرزا نے چونکتے ہوئے کہا۔

"میں نے کسی مقصد کے تحت لاش کو ٹھکانے لگا دیا ہے۔" ساحر نے کہا۔

"اوکے۔ تم پہ یقین کرنے کو جی چاہتا ہے۔ پھر یہ معلومات دینے سے میرا کوئی

نقصان بھی نہیں ہو گا۔ پوچھو کیا پوچھنا ہے؟" آصف مرزا نے سنجیدگی سے کہا۔

"مینجر اکبر اور راجو کی رہائش گاہ کا پتہ اور وہاں کی سکیورٹی کی معلومات۔ ان کی کوئی کمزوری۔ اور کوئی ایسا کلیو کہ بِنا نقصان کے میں ان تک پہنچ جاؤں۔" ساحر نے سنجیدگی سے کہا۔

آصف مرزا نے تفصیل بتانی شروع کر دی۔ تفصیل بتانے کے دوران وہ حیرانی سے ساحر کو دیکھ رہا تھا جس کے چہرے پہ کسی قسم کی پریشانی نہیں تھی جبکہ آصف مرزا کا خیال تھا کہ سکیورٹی کے انتظامات بہت سخت تھے اور یہ بہت بڑی پریشانی تھی۔ لیکن ساحر کی آنکھوں میں اطمینان ہی اطمینان جھلک رہا تھا۔

"اگر تم برا نہ مناؤ تو جو تم نے مجھے تفصیل بتائی ہے، اسے کنفرم کروا سکتے ہو؟ یہ نہ ہو کہ تمہاری معلومات پرانی نکلیں اور میں بے موت مارا جاؤں۔۔۔ ایک تو یہ بے موت مارے جانے کی سمجھ نہیں آئی۔۔ موت آئے گی تو بندہ مرے گا۔۔ پھر بے موت کیسے مارا جا سکتا ہے۔۔۔" اس نے بات تو سنجیدگی سے ہی شروع کی تھی مگر رستے میں

ہی زبان ٹریک بدل گئی اور سر کھجاتے ہوئے اس نے سوچ میں ڈوب کر فلسفہ جھاڑ دیا۔

"کیا مطلب؟ یہ باتیں کیسے کنفرم کراؤں؟ اس پہ تو میری جان بھی خطرے میں پڑ جائے گی۔۔" آصف مرزا نے الجھے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"گولڈن کلب میں ضرور کوئی نہ کوئی آدمی ہو گا۔۔ اس سے پوچھ لو۔۔ پوچھ لینا کہ ابھی اکبر کہاں پہ ہے اور پام کالونی والی رہائش گاہ میں کب جاتا ہے؟ اس سے بہت کچھ کنفرم ہو جائے گا۔" ساحر نے کہا تو آصف مرزا نے سر ہلاتے ہوئے ریسیور اٹھایا۔ اس نے تیزی سے نمبر ملایا۔

"گولڈن کلب۔۔۔" ساحر کے کانوں میں ہلکی سی نسوانی آواز پہنچی۔

"راحیل سے بات کرواؤ۔۔ میں اس کا بڑا بھائی وکیل بات کر رہا ہوں۔" اس نے لہجے بدلنے کی بھونڈی سی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"اوکے۔۔۔ ہولڈ کریں۔" جواب ملا۔

"راحیل بول رہا ہوں۔" چند لمحوں بعد ایک باریک سی آواز سنائی دی۔

"راحیل۔۔ سٹاک کہاں ہے آج کل؟" آصف مرزا نے پوچھا۔

"سٹاک تو سٹور روم میں ہی ہے۔۔ آج ایک پارٹی مال دیکھنے بھی آئی ہے۔ اس پارٹی سے بہت خاص ڈیل ہو گی۔" دوسری طرف سے جواب ملا۔

"پام کالونی والا سٹور روم چل رہا ہے ابھی؟" اس نے پوچھا۔

"ہاں۔۔ وہ تو بہت اہم سٹور ہے۔ وہ بند نہیں کریں گے کمپنی والے۔" جواب ملا۔

"اوکے۔۔۔ شام کو ملاقات ہوتی ہے۔" آصف مرازنے کہا اور ریسیور رکھ دیا۔

"اب کنفرم؟" آصف مرزا نے مسکرا کر پوچھا

"ہاں۔۔ پارٹی والی کیا بات کی راحیل نے؟" ساحر مسکرایا۔

"اکبر کے بہت سے دشمن ہیں۔۔ کسی نے اس پہ حملہ کیا ہے اور اب وہ اکبر کے شکنجے میں ہے۔۔ وہ انہیں عبرتناک موت مارے گا۔ اس کا ایک ہی انداز ہے، ابلتے تیل میں انسان کو ڈبونا۔۔" آصف نے کہا تو ساحر چونک گیا۔ وہ جانتا تھا کہ کبیر اور جبران بھی اکبر وغیرہ کے پیچھے گئے ہیں۔۔ کہیں وہی تو نہیں پکڑے گئے؟

اس سوچ سے ساحر ایک لمحے کے لئے پریشان ہوا اور پھر پر سکون ہو گیا

۔

"اوکے آصف صاحب۔۔ جلد ہی آپ کو خوشخبری سننے کو ملے گی۔" ساحر نے اٹھتے ہوئے کہا۔ اس بار آصف نے بھی کھڑے ہو کر گرمجوشی سے اس سے مصافحہ کیا۔

"تم سے مل کر بہت اچھا لگا پاشا۔۔اسلحہ چاہئے تمہیں؟" آصف نے پوچھا۔

"نہیں۔۔اگر ضرورت ہو گی تو میں رابطہ کروں گا۔" ساحر نے کہا اور تیزی سے باہر نکل گیا۔ ریسیپشن سے اپنا پسٹل لیتے ہوئے وہ تیز رفتاری سے پارکنگ میں موجود اپنی گاڑی تک پہنچا۔

اگرچہ کبیر پولیس انسپکٹر تھا، اسے ان معاملات کا کچھ تجربہ تھا، مگر جن حالات سے وہ تینوں اس وقت گزر رہے تھے، کبیر بھی ان معاملات میں پوری طرح فِٹ نہیں تھا کیونکہ محکمہ پولیس میں اس نے اس طرح کی مشکلات کا سامنا نہیں کیا تھا۔ دوسری طرف جبران۔۔۔ایک کمپیوٹر ایکسپرٹ تھا اور اس فیلڈ میں نونہال تھا۔۔ ان باتوں کے باوجود ساحر کو

یقین تھا کہ وہ کسی کے ہاتھ آسانی سے نہیں آئیں گے۔ مگر پھر بھی وہ جلد سے جلد گولڈن کلب پہنچنا چاہتا تھا تاکہ کوئی نقصان نہ ہو۔

☆

وہ دونوں ہوش میں آچکے تھے۔ ان کے سروں کے عین نیچے بڑے بڑے ٹب تھے جن میں تیل ابل رہا تھا۔ الٹے لٹکے ہونے کی وجہ سے دونوں کے چہرے بے انتہا سرخ ہو چکے تھے۔ کمرے میں صرف دو افراد موجود تھے ۔ ایک طرف دیوار کے ساتھ مشین گنیں موجود تھیں، اس طرح مشین گنیں رکھنے کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے ان رسیوں کو کنٹرول کرنا ہے جن رسیوں کے ساتھ ان دونوں کو لٹکایا گیا تھا۔ وہ ان رسیوں کے سروں کو دیوار میں موجود کنڈوں میں باندھ کر پاس کھڑے تھے۔ کمرے میں مکمل خاموشی تھی، جس میں اچانک ہلچل پیدا ہوئی۔ دروازہ کھلنے کی آواز سن کر سب نے چونک کر دیکھا۔۔ کھلے دروازے میں اکبر کھڑا مسکرا رہا تھا۔

"کیسے ہو یارو؟" وہ مسکرایا۔

"بھوک لگی ہے۔" جبران بھی جواباً مسکرایا۔

"تمھاری دعوت کا ہی تو پروگرام ہے۔۔ تمہارا تیسرا ساتھی کہاں ہے؟" اکبر نے پوچھا۔

"تیسرا ساتھی۔ کیا مطلب تمہارا؟" کبیر نے الجھنے کی اداکاری کرتے ہوئے پوچھا۔

"اگر تم لوگ عزت گڑھ سے ہمارے خلاف معلومات حاصل کر سکتے ہو تو ہم وہاں تمہاری وجہ سے ہونے والے اپنے نقصان سے کیسے بے خبر رہ سکتے ہیں؟" اکبر غرایا۔

اس کی بات سن کر پہلی بار ان دونوں کو احساس ہوا کہ ساحر نے براہِ راست کچھ کر گزرنے کا آئیڈیا کیوں نہیں دیا تھا۔۔ اور تیز رفتاری سے کام کرنے کی ہدایت کیوں کی تھی۔ ظاہری بات ہے کہ حاکم رانا کے اغواء کی رپورٹ گولڈ مین کو بروقت مل چکی تھی اور وہ جانتا تھا کہ حاکم رانا کے بعد وہ ٹارگٹ ہو گا۔ اس وجہ سے گولڈ مین ان کے استقبال کے لئے تیار تھا، اور وہ بے وقوفوں کی طرح خود اس کے آدمیوں کے ہتھے چڑھ گئے تھے۔

"ہم کسی حاکم رانا کو نہیں جانتے۔۔ ہم تو بس دو ہی ہیں۔" کبیر نے سخت لہجے میں جواب دیا۔

"اپنا لہجہ درست کرو۔۔ تمہارے سر کے نیچے پانی ابل رہا ہے۔۔ مجھے اپنی مرضی کا جواب نہ ملا تو اس میں غوطے کھاؤ گے۔۔ تمہاری کھال تک جھلس جائے گی۔ اکبر نے غرا کر کہا۔

"تم یہ دھمکی کسی اور کو دو۔۔" کبیر نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"اس کو ٹب میں غوطہ لگواؤ۔۔" اکبر نے چیختے ہوئے اپنے ملازم سے کہا، اس نے

تیزی سے کبیر کی رسی ڈھیلی کی اور کبیر کا جسم ٹب کی طرف بڑھنے لگا۔

"وہ ہمارا دوست نہیں۔ افسر ہے۔۔ وہ رہائش گاہ پہ آرام کر رہا ہے۔" جبران نے یہ صورتحال دیکھی تو فوری جواب دیا۔

"رہائش گاہ کا پتہ بتاؤ۔۔" اکبر نے اشارہ کر کے کبیر کو تلنے کا پروگرام روکتے ہوئے پوچھا تو جبران نے تیزی سے ایک غلط پتہ بتا دیا۔۔ وہ شکل سے اس وقت بہت نروس لگ رہا تھا۔

"گڈ۔۔۔ اب اسے غوطہ لگواؤ۔۔" اکبر نے مطلب کی بات پتہ چل جانے کے بعد کمینگی سے دانت نکالتے ہوئے کہا تو کبیر کا جسم دوبارہ ابلتے تیل کی طرف بڑھنے لگا۔ جبران نے پریشانی سے کبیر کی طرف

دیکھا جس کی آنکھیں غصے سے جیسے دہک رہی تھیں اور ہونٹ بھنچے ہوئے تھے۔

"رکو۔۔۔یہ سب کیوں کر رہے ہو؟" جبران چیخا۔

"جو میں چاہتا تھا وہ معلوم ہو چکا ہے، اب تفریح کا پروگرام ہے۔" اکبر نے کہا، اسی وقت کبیر کو جسم تڑپا۔۔اس کا جسم پنڈولم کی طرح ٹب سے آگے کی طرف نکلا، اس کے جھٹکے کی وجہ سے رسی ڈھیلی کرنے والا شخص اچھل کر گرا۔۔بد قسمتی سے کبیر کی رسی چھت میں موجود کنڈے میں اٹکی اور وہ جتنی تیزی سے اس ٹب سے دور ہٹا تھا، اس سے بھی زیادہ تیزی سے ایک دھماکے سے ٹب کے ساتھ ٹکرایا اور بے اختیار اس کے منہ سے چیخ بلند ہوئی، چیخ سن کر جبران سناٹے میں آگیا۔۔ کبیر ٹب سے ٹکرا کر زمین پہ گرا تو ٹب اس کے اوپر الٹ گیا۔۔کھولتا ہوا تیل اس کی کمر پہ گرا تو تڑپ کر دوجا گرا۔۔چند لمحوں تک وہ حرکت کرنے سے معذور ہو گیا تھا۔۔اس سے ہلا بھی نہیں جا رہا تھا۔۔ابلتے تیل نے یقیناً اس کی کمر کو جھلس دیا تھا۔یہ دیکھ کر جبران کا رنگ فق ہو گیا مگر وہ کچھ کر سکنے کی پوزیشن میں نہیں تھا، اگر وہ کوئی حرکت کرتا تو شاید وہ بھی کبیر جیسی حالت میں زمین پہ پڑا ہوتا۔

"حقیر کیڑا۔۔۔" اکبر نے قہقہہ لگایا۔

کبیر واقعی ایک کینچوے کے جیسے زمین پہ رینگ رہا تھا۔ گرم تیل نے اس کے اوسان خطا کرنے کے ساتھ ساتھ جسمانی طور پہ اسے دردناک عذاب سے دوچار کر دیا تھا۔ اس کا چہرہ سرخی کے باعث سیاہ سا محسوس ہو رہا تھا اور آنکھوں میں پانی کی یلغار۔۔ مگر پہلی غیر ارادی چیخ کے بعد سے اس کے ہونٹ، دانتوں کے قبضے میں تھے اور کمرے میں صرف اکبر کے قہقہے گونج رہے تھے۔ وہ تیزی سے کبیر کے سر پہ پہنچا اور کبیر کے سر پہ پاؤں رکھا۔

" یہ ہے تمہاری اوقات ۔۔چلے تھے ہمیں مٹانے۔" اس نے نفرت بھرے لہجے میں کہا اور اس کے سر پہ ضرب لگانے کے لئے پاؤں اٹھایا۔۔اس کی ٹانگ ابھی ہوا میں تھی جب کبیر کا رینگتا ہوا جسم تیزی سے اکٹھا ہوا اور اس نے جسم کی طاقت کو یکجا کر کے ٹانگ اکبر کی دونوں ٹانگوں کے درمیان دے ماری۔۔اکبر چیخ مار کر درد کے مارے جھکتا گیا۔۔ جیسے ہی وہ جھکا۔۔کبیر نے اپنا اوپری دھڑ اٹھایا اور سر کی زوردار ٹکر اکبر کی ناک پہ پڑی۔۔پچک کی آواز کے ساتھ اکبر کی ناک بیٹھتی گئی۔۔اس کے ساتھ ہی کبیر لہرا کر زمین پہ گرا اور ساکت

ہو گی۔۔۔دوسری طرف اکبر ناک پہ ہاتھ رکھے چیخ رہا تھا۔۔ کبیر نے بے انتہا طاقت استعمال کرتے ہوئے جیسے اس کی ناک کا نام ونشان ہی مٹا دیا ہو۔۔اکبر کے چہرے پہ صرف اور صرف ناک کی باقیات تھیں۔۔ناک نظر نہیں آرہی تھی۔

"گولی مار دو ان دونوں حرامزادوں کو۔۔۔اڑا دو ان کو۔۔" اکبر چلایا۔۔ملازم تیزی سے کمرے کے کونے کی طرف بڑھے جہاں انہوں نے مشین گنیں رکھی تھیں۔۔

گولیوں کا آرڈر سنتے ہی کبیر کا جسم پل بھر میں حرکت میں آیا۔۔وہ جھٹکا کھا کر اٹھا اور اکبر کو ساتھ لئے دوبارہ زمین پہ آرہا۔۔اکبر نے نیچے گرتے ہی جیب میں ہاتھ ڈالا، جیسے ہی اس کا ہاتھ جیب سے باہر نکلا، ٹھائیں کی آواز آئی، کبیر تیزی سے ایک طرف ہو کر گولی سے بچا۔۔اور جبران کی 'اوہ' کی آواز سنائی دی۔۔

جبران کی آواز سن کر کبیر لاشعوری طور پہ فوری مڑا اور دوڑا، ساتھ ہی اس نے لانگ جمپ مارا اور بندھے ہوئے ہاتھوں میں ایک رسی کو تھام لیا۔۔

اکبر کے پسٹل سے نکلنے والی گولی اس کنڈے پہ لگی تھی جس میں جبران کو لٹکائے جانے والی رسی باندھی گئی تھی۔ گولی سیدھی رسی کے اوپر لگی اور رسی یکلخت ٹوٹی۔۔۔ جس وجہ سے جبران کے منہ سے اوہ کا لفظ نکلا اور کبیر نے لانگ جمپ کی بدولت اس کا سرا تھاما۔۔

اکبر پسٹل کھڑا ہو چکا تھا، اس کے ملازمین مشین گنیں سنبھال کر کبیر اور جبران پہ نشانہ سادھ چکے تھے جبکہ کبیر کسی شرابی کی طرح جھولتے ہوئے کسی نہ کسی طرح وہ رسی تھامے کھڑا تھا جس سے جبران کی سلامتی لٹکی ہوئی تھی۔

"بہت عرصے بعد تم جیسے جانبازوں سے واسطہ پڑا ہے۔۔ مزہ آگیا۔۔ مگر مجھے افسوس ہے کہ تمہیں چھوڑا نہیں جا سکتا۔" اکبر نے تحسین بھری نظروں سے کبیر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور اس کے چہرہ پہ سرد مہری چھا گئی۔ اس نے پسٹل سیدھا کیا اور ایک بار پھر ٹھائیں کی آواز سنائی دی۔ گولی سیدھی کبیر کے کندھے پہ لگی مگر اس نے رسی نہ چھوڑی۔۔۔ جبران کی دھڑکنیں ترتیب بھول چکی تھیں۔

"تم ڈھیٹ بھی ہو۔" اکبر نے کہا اور گولی چلا دی۔۔ اس بار گولی جبران کے پاؤں کے قریب موجود رسی پہ لگی۔۔ رسی ٹوٹتے ہی جبران کا جسم

تیزی سے کھولتے ہوئے تیل سے بھرے ٹب کی طرف بڑھا، اس نے آنکھیں بند کر لیں۔۔ ٹب اور جبران کے درمیان اتنا فاصلہ ہی نہیں بچا تھا کہ وہ اپنے جسم کو کسی طرف موڑتا۔۔ اسی وقت کبیر نے سر کو جھٹکا اور چھلانگ لگا دی۔

"اوہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔" اکبر کے منہ سے نکلا۔

اکبر۔۔۔ اس کے آدمیوں کے منہ مارے حیرت کے کھلے کے کھلے رہ گئے۔

کبیر اڑتا ہوا اس تپتے ٹب سے ٹکرایا اور ٹب الٹتا گیا۔۔۔ کبیر اس بار پھر کھولتے ہوئے تیل پہ گرا۔۔۔ ٹب الٹنے کی وجہ سے چولہے کی آگ نے یکدم زور پکڑا، جبران سر کے بل پہلے چولہے پہ اور پھر کبیر پہ جا گرا۔۔ کبیر سے لڑھکتے ہی وہ فرش پہ پھیلے تیل پہ گرا اور اس کے حلق سے چیخ نکل گئی۔۔

☆

گولڈن کلب میں داخل ہوتے ہی ساحر نے پارکنگ میں کبیر اور جبران کی کار پہچان لی۔ اس نے کار پارک کی، جیب سے موبائل نکال کر کبیر کو

اور پھر جبران کو کال کی۔۔ دونوں کے فونز پہ کال تو کنکٹ ہوئی مگر ریسیو نہ ہو سکی۔ ساحر تیزی سے گاڑی سے نکلا، گاڑی کی ڈگی کھولی اور ضروری اسلحہ جیبوں میں ٹھونسا، پھر ہونٹ بھینچتے ہوئے تیزی رفتاری سے کلب میں داخل ہوا۔ کلب میں داخل ہوتے ہی اس نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور ایک ہینڈ گرنیڈ نکال کر اس کی پن کھینچتے ہوئے، اپنے عقب میں کلب کے مرکزی دروازے کے نزدیک اس طرح سے پھینکا کہ کوئی بھی اسے بم پھینکتے ہوئے دیکھ نہ سکے۔۔ ہر طرف سے بند ہال میں کان پھاڑ دھماکہ ہوا اور ساتھ ہی چیخ و پکار کا بٹن دب گیا۔۔ ہر کوئی اپنی جان بچا کر، کھڑکیوں کے بند شیشے توڑتا ہوا کلب کی عمارت سے باہر ایسے گرا جیسے وائپر سے پانی کو گرایا جاتا ہے۔ ہال میں ہلچل مچتے ہی ساحر ریسیپشن پہ موجود پریشان شکل والے پہلوان کے پاس پہنچا اور جمپ لے کر کاؤنٹر پھلانگا۔۔

"یہ۔۔۔ یہ کیا؟" پہلوان نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

"یہ۔۔۔ یہ۔۔ یہ وہ ہے۔" ساحر نے ہکلاتے ہوئے کہا اور ایک زور دار گھونسا پہلوان کی ناک پہ دے مارا۔۔ پہلوان نے چیختے ہوئے ناک پہ ہاتھ رکھا ہی تھا کہ ساحر نے اچھل کر سر کی زوردار ٹکر اس کے پیٹ میں

دے ماری۔۔ پہلوان پیٹ پکڑ کر جھکا۔۔ اس بار ساحر نے اس کی جھکی ہوئی گردن پہ ہاتھ رکھ کر اسے پیچھے کی طرف دھکیلا تو پہلوان صاحب تشریف کے بل کاؤنٹر سے ٹکرائے اور پھر جھٹکے سے سامنے موجود ساحر کے قدموں میں گرا۔۔ ساحر اس کے سینے پہ سوار ہوا اور تابڑ توڑ مکوں کی بارش کر دی۔

"اکبر کہاں ہے؟" اس نے مکے برساتے ہوئے پوچھا۔۔

"بب۔۔۔بب۔۔بب۔۔ باس تہ خانے۔۔۔" پہلوان نے لاشعوری طور پہ جواب دیا تو ساحر کا ہاتھ رکا۔

"تہ خانے کا رستہ بتاؤ جلدی۔۔" وہ غرایا اور پہلوان نے نیم غشی کی حالت میں تہ خانے کا رستہ بتایا۔۔ ساحر کا ہاتھ تیزی سے گھوما اور پہلوان کنپٹی پہ لگنے والی ضرب سے تڑپتے ہوئے بے ہوش ہو گیا۔۔ ساحر احتیاط سے کاؤنٹر سے باہر نکلا مگر خالی ہال دیکھ کر وہ سیدھا ہوا اور تیزی سے تہ خانے کی طرف دوڑا۔ دوڑتے ہوئے اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر پسٹل نکال لیا تھا۔ اس کا چہرہ دیکھ کر کوئی بھی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ کبھی مسکرایا بھی ہو گا۔

سیڑھیاں اترتے ہوئے وہ پنجوں کے بل چلنا شروع ہو گیا تھا۔ تاکہ کوئی اس کی آمد کو نہ بھانپ سکے۔۔ سیڑھیاں اتر کر وہ ایک بند دروازے کے پاس پہنچا۔۔ دروازے کی ساخت دیکھ کر وہ سمجھ گیا کہ کمرہ ساؤنڈ پروف ہے، اس کا مطلب تھا کہ کلب میں جو کچھ بھی ہوا تھا وہ تہ خانے والے نہیں جانتا تھے، چہ جائیکے انہیں کسی نے کال نہ کر دی ہو۔ ساحر نے سر جھٹکا اور دروازے پہ موجود بیل کا بٹن دبایا۔

"کون ہے؟" چند لمحوں بعد ڈور فون سے ایک چیختی ہوئی آواز سنائی دی۔

"بب۔۔ باس کلب پہ حملہ ہو گیا ہے۔" ساحر نے ہکلاتے ہوئے آواز بدل کر کہا۔

"کلب پہ حملہ۔۔۔ کیا بکواس ہے۔۔۔ ان کا تیسرا ساتھی تو نہیں آگیا۔۔" بڑبڑاتی ہوئی آواز سنائی دی۔۔ تیسرے ساتھی۔۔ کی بات سن کر ساحر کے کان کھڑے ہو گئے، اس کا مطلب تھا کہ اندر کبیر اور جبران ہی ہیں۔۔ ساحر الرٹ ہو گیا۔۔ جیسے ہی دروازہ کھلا ساحر کی لات حرکت میں آئی اور دروازہ کھولنے والا اڑتا ہوا کمرے کے وسط میں جا گرا۔۔ وہ تیزی سے اندر داخل ہوا۔ اس کے کمرے میں داخل ہوتے ہی پسٹل کے دہانے نے مچلتی ہوئی گولیوں کو آزاد کیا تو سامنے موجود

دو افراد۔۔۔ جو ایک اجنبی کو دیکھ کر کنفیوز ہو گئے تھے، وہ چیختے ہوئے زمین پہ آ گرے۔۔ دروازہ کھولنے والا ابھی تک فرش سے اٹھا نہیں تھا۔

سامنے دو ٹب الٹے ہوئے تھے اور کبیر اور جبران دونوں اوندھے پڑے ہوئے تھے، ان کے کپڑے مائع سے تر تھے۔ ساتھ ہی آگ بجھانے والا ایک سلنڈر پڑا ہوا تھا۔ یہ دیکھتے ہی ساحر کو ساری صورتحال سمجھنے میں دیر نہ لگی۔۔ اس نے پتھرائی ہوئی آنکھوں سے دونوں کو دیکھا اور پھر اس کی نظریں تیسرے شخص پہ جم گئیں جو اب فرش سے اٹھ چکا تھا۔۔ وہ لباس اور رکھ رکھاؤ سے اہم رتبے کا مالک لگ رہا تھا۔۔ ساحر نے کینہ توز نگاہوں سے اسے دیکھا اور پسٹل کو بلند کیا۔

"مجھے مت مارو۔۔۔ میں خود قیدی ہوں۔" اس نے چیخ کر کہا مگر ساحر کے پسٹل

سے گولی چلی اور اس شخص کی ران میں پیوست ہوئی، وہ چیخ مار کر زمین پہ آ گرا۔۔ اسے گولی مارتے ہی ساحر تیزی سے اس کے پاس پہنچا اور اس کی کنپٹی پہ ایڑی ماری۔۔ وہ چیخ کر ساکت ہوا۔۔

ساحر دوڑتا ہوا کبیر اور جبران کے پاس پہنچا۔۔ وہ دونوں بے ہوش تھے۔ ساحر نے ان کی شرٹیں اوپر کر کے دیکھا تو شاک کی وجہ سے شرٹیں اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئیں اور وہ جھٹکے سے پیچھے گرا۔۔۔ ان دونوں کے جسموں پہ چھالے بن چکے تھے، جلد بری طرح جھلس چکی تھی۔۔ جبران کے سر پہ گومڑ بنا ہوا تھا مگر وہ کبیر سے کم زخمی تھا۔۔ ساحر کا ذہن کچھ دیر کے لئے ماؤف ہو گیا۔۔ مگر اچانک وہ چونکا اور اس نے دونوں کے زخموں کا بغور معائنہ کیا اور پھر اس بے ہوش شخص کے پاس پہنچا، اس نے رسی کے ساتھ اس کے ہاتھ پاؤں باندھے۔ پھر اس نے جیب سے فون نکالا اور نمبر پریس کیا۔

"یس۔۔۔ پانڈے سپیکنگ۔۔۔" دوسری طرف سے بھاری آواز سنائی دی۔

"مسٹر آنڈے۔۔۔ کیا گولڈن کلب کے کسی خفیہ رستے کو جانتے ہو؟" اس نے انتہائی سنجیدہ لہجے میں پوچھا۔

"یس باس۔۔۔ کلب کے عقب کی طرف ایک رستہ کھلتا ہے۔" جواب ملا۔

"اوکے۔۔ ایمبولینس لے کر گولڈن کلب کے عقب میں پہنچو۔۔ میرے دو ساتھی بہت نازک حالت میں ہیں۔" اس نے کہا۔

"یس باس۔۔۔ دس منٹ میں پہنچتا ہوں۔" پانڈے نے کہا اور ساحر نے کال بند کر کے سیل جیب میں رکھا۔ اس نے تیسرے شخص کو، جو کہ اکبر تھا، دروازہ کی اوٹ میں لٹایا اور خود آگے بڑھ کر کبیر کو کندھے پہ لاد کر باہر نکلا۔۔ وہ تیز رفتاری سے سیڑھیاں چڑھتے ہوئے تہ خانے سے نکل کر راہداری میں پہنچا اور ایک خالی کمرہ دیکھ کر کبیر کو اس میں لٹایا۔۔ اس کے بعد جبران اور پھر اکبر کو بھی وہ اس کمرے میں لے آیا۔

کبیر اور جبران کے جسم جلے ہوئے تھے مگر وہ تھے خطرے سے باہر، اس وجہ سے ساحر ظاہری طور پہ نارمل ہی تھا مگر وہ بے چینی سے ٹہل رہا تھا۔۔ اسے پانڈے کا انتظار تھا۔

کچھ ہی دیر بعد اس کا سیل فون وائبریٹ ہوا۔

"یس۔۔۔"

"باس۔۔۔ آپ کہاں ہیں؟" پانڈے کی آواز آئی۔

"دوسری منزل۔۔"

"اوکے باس۔۔ہم پہنچ رہے ہیں۔" پانڈے نے کہا تو ساحر نے کال بند کر دی۔

اس کی خاموشی اور آنکھوں کی چمک ظاہر کر رہی تھی کہ اکبر کا حال بہت برا ہونے والا ہے۔

☆

گولڈن کلب کے مینجر اکبر کی آنکھیں کھلیں تو چند لمحوں کے لئے تو اسے سمجھ ہی نہ آئی کہ کیا ہوا۔۔۔اور وہ کہاں ہے۔۔ مگر جلد ہی اس کے دماغ نے کام کرنا شروع کر دیا۔

اسے یاد آگیا تھا کہ گولڈ مین کی طرف سے اسے یہ ڈیوٹی سونپی گئی تھی کہ تین لوگ گولڈ مین کے خلاف کام کر رہے ہیں، اگر وہ گولڈ مین کی تلاش میں آئیں تو انہیں فوری گولی مار کر قصہ تمام کر دیا جائے۔

اکبر نے اپنے کمرے میں موجود سکرین پہ جب کلب کے ہال میں ہونے والا جھگڑا دیکھا تو وہ کھٹک گیا۔ اس نے جان بوجھ کر ان دونوں کو اپنے آفس بلوا لیا۔۔ اور جب انہوں نے آتے ہی گولڈ مین کا پوچھا تو اکبر کنفرم ہو گیا کہ یہی اس کا شکار ہے مگر وہ دو تھے، تیسرے کے بارے میں معلوم کرنے کے لئے اس نے انہیں تہ خانے میں پہنچایا اور اپنے من پسند تشدد کو بروئے کار لاتے ہوئے تفتیش شروع کی مگر ان میں سے ایک نوجوان جب ہر احتیاط کو بالائے طاق رکھ کر حرکت میں آیا۔۔ اور جس طرح سے اس نے زخمی ہونے کے باجود اکبر پہ ہلا بولا تھا، اکبر سچ مچ اندر سے ہل گیا تھا۔۔ اسے سمجھ نہیں آئی کہ وہ کس مٹی کا بنا ہوا ہے ۔۔ اور جب اس نے اپنے دوسری ساتھی کو بچانے کے لئے دوسرے ٹب پہ چھلانگ لگائی، اکبر عش عش کر اٹھا۔۔ اسے لمحہ بھر کے لئے افسوس ہوا کہ ایسے دلیر لوگوں کو مارنے جا رہا ہے مگر دوسرے ہی لمحے وہ اپنی اوقات میں واپس آیا اور انہیں گولی مارنے کے لیے تیار

ہوا۔ ۔ ان کی بے جگری دیکھتے ہوئے اس نے فوری گولی مارنے کا سوچا ۔ ۔ مگر اس سے پہلے کہ وہ گولی مارتا۔ ۔ دروازے کی بیل بجی۔ اس نے مائیک کے ذریعے پوچھا تو یہ سن کر اسے جھٹکا لگا کہ کلب پہ حملہ ہو گیا، اس کے ذہن میں پہلا خیال یہی ابھرا کہ ان دونوں کا تیسرا ساتھی پہنچ گیا ہے۔ وہ جانتا تھا کہ اکیلا انسان کلب پہ حملہ نہیں کر سکتا مگر کمرے میں موجود بندھے ہوئے اور زخمی نوجوان کی کارکردگی دیکھ کر اسے محسوس ہوا کہ ان میں سے ایک بھی کلب اڑانے کے لئے کافی ہے۔ ۔ اسی سوچ میں ڈوبے ہوئے اس نے دروازہ کھولا تو اس کے سینے پہ لات لگی۔ ۔ وہ اڑتا ہوا دور جا گرا۔ ساتھ ہی گولیوں کی تڑتڑاہٹ سنائی دی اور اس کے لوگ چیختے ہوئے گرے۔ ۔ وہ اٹھا تو سامنے ایک نوجوان کھڑا تھا، جس کی آنکھوں عجیب سے چمک تھی۔ ۔ اس نے پتھرائی ہوئی آنکھوں سے اپنے دونوں ساتھیوں کو دیکھا اور پھر اس کی نظریں اکبر پہ جم گئیں۔ نوجوان نے کینہ توز نگاہوں سے اسے دیکھا اور پسٹل کو بلند کیا۔

"مجھے مت مارو۔ ۔ ۔ میں خود قیدی ہوں۔" اکبر نے ڈاج دینے کے لئے چیخ کر کہا مگر اس نوجوان کے پسٹل سے گولی چلی اور اکبر کی ران میں

پیوست ہوئی، وہ چیخ مار کر زمین پہ گرا۔۔ اسے گولی مارتے ہی نوجوان تیزی سے اس کے پاس پہنچا اور اس کی کنپٹی پہ ایڑی ماری۔۔ اکبر کو یوں لگا جیسے اس کی کنپٹی پہ بم پھٹا ہو اور وہ چیخ اٹھا۔۔ اس کے بعد وہ شاید بے ہوش ہو گیا تھا اور اب ہوش آیا تھا۔۔

اس نے کمرے کا جائزہ لیا، اسے کمرہ الٹا نظر آ رہا تھا۔۔ اچانک اس کی نظر نیچے پڑی تو وہ گھبرا گیا۔۔ اس کے سر کے عین نیچے، ایک بڑا سا ٹب تھا جس میں تیل بھرا ہوا تھا اور اب اس میں سے ہلکی ہلکی بھاپ نکل رہی تھی۔ یہ منظر دیکھ کر اکبر کا گلا خشک ہو گیا۔۔ اس نے زبان ہونٹوں پہ پھیری اور جسم میں ہلکی سی کپکپاہٹ طاری ہوئی۔ وہ آج تک بہت سے لوگوں کو اس عذاب میں سے گزار چکا تھا مگر یہ پہلا موقع تھا کہ کسی نے اسی کو تیل کے ٹب کے الٹا لٹکا رکھا تھا۔ اس کے جسم پہ ایک انڈرویئر کے علاوہ کچھ بھی نہیں تھا۔

کمرے کا دروازہ کھلا تو وہ سوچوں کی وادی سے نکلا، سامنے وہی نوجوان کھڑا تھا جس نے اس کی ران میں گولی ماری تھی۔ وہ پر سکون چال چلتے ہوئے سامنے موجود کرسی پہ بیٹھ گیا۔ چند لمحے وہ سر جھکائے کچھ سوچتا رہا اور پھر وہ اٹھا، وہ تیزی سے اکبر کے پاس پہنچا اور اس کے دونوں بازوؤں

کے نیچے سے رسی گزار کر اکبر کو کَس کے باندھا اور پھر رسی چھت میں موجود ہک میں ڈال کر کھینچنا شروع کی۔ تھوڑی ہی دیر میں اکبر کا جسم سیدھا ہو گیا۔۔نوجوان نے اکبر کے پاؤں سے بندھی رسی، جس کی مدد سے وہ چھت سے الٹا لٹکا ہوا تھا، وہ ڈھیلی کر کہ اس کے پاؤں نیچے کئے اور پھر دوبارہ اکبر کو مزید اوپر کھینچا۔اب اکبر کا جسم سیدھا لٹکا ہوا تھا۔ سر کی بجائے، پاؤں گرم تیل کے ٹب کے اوپر تھے۔

نوجوان نے دھیرے سے اس کی رسی ڈھیلی کرنی شروع کی، اکبر کے پاؤں تیل

والے ٹب کی طرف بڑھنے لگے۔

"کک۔۔کک۔۔کیا کر رہے ہو۔۔؟" اس نے گھبرا کر پوچھا۔

مگر نوجوان نے جواب نہ دیا اور پھر اکبر کی چیخ و پکار کے باوجود اس نے رسی ڈھیلی کرنا نہ روکا، نتیجتاً اس کے پاؤں کھولتے ہوئے تیل میں ڈوبتے گئے اور اکبر کے منہ سے فلک شگاف چیخ نکلی، اور پھر تو جیسے کمرے میں چیخوں کا سیلاب آ گیا ہو۔ نوجوان نے رسی کو اسی پوزیشن میں ہک کیا اور خود موبائل نکال کر اس میں گم ہو گیا۔اکبر مسلسل چیخے جا رہا تھا۔

"مم۔۔۔ مم۔۔۔ میرے پاؤں باہر نکالو۔۔۔ پلیز۔۔۔ جو تم کہو گے میں کروں گا۔۔ پلیز رحم کرو مجھ پہ۔۔" اس نے منتیں کرتیں ہوئے کہا۔

مگر وہ نوجوان تو جیسے بہرہ تھا۔۔ وہ موبائل میں ہی کھویا رہا۔۔۔ اکبر کی چیخیں تو جاری رہیں۔۔۔ مگر منتوں کی جگہ کبھی گالیاں لے لیتیں تو کبھی گالیوں کی کیسٹ روک کر اکبر منتوں والی کیسٹ چلا دیتا۔۔ یوں لگ رہا تھا جیسے کبھی وہ کیسٹ کی ایک سائیڈ چلاتا تھا جس میں صرف گالیاں تھیں، کبھی دوسری۔۔۔ جس میں صرف منتیں ریکارڈ کی گئی تھی۔

اچانک نوجوان نے منہ بسورتے ہوئے موبائل جیب میں ڈالا اور سر اٹھایا۔۔ سامنے لٹکے ہوئے اکبر کو دیکھ کر اس کو جیسے حیرت بھرا جھٹکا لگا۔۔۔ اس کے انداز سے ایسا لگ رہا تھ جیسے وہ اکبر کی موجودگی سے لاعلم تھا۔۔۔ اس نے تیزی سے اکبر کو اوپر کھینچا۔۔۔ رسی کو ہُک کر کے وہ اکبر کے قریب آیا اور اس کے جلے ہوئے پاؤں دیکھ کر اس کی آنکھوں میں پانی بھر آیا۔۔ وہ ہاتھوں سے اس کے جلے ہوئے پاؤں کو ہوا دینے لگا۔۔ کبھی وہ پاؤں پہ پھونکیں مارتا تو کبھی ہاتھوں سے ہوا دیتا۔۔

"بند کرو یہ پاگل پن۔۔۔ کیا چاہتے ہو تم؟" اکبر نے ہذیانی انداز میں چیختے ہوئے کہا۔ اس یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کسی نفسیاتی طور پہ پاگل انسان کے ہاتھ چڑھ گیا ہے، اس وجہ سے اکبر انجانے خوف کے دائرے میں داخل ہو رہا تھا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اذیت ناک موت رقص میں مصروف تھی۔ وہ خود ہی اگلے لمحوں میں درپیش عملِ جلاؤ کا ذہنی طور پہ خاکہ بنا چکا تھا جس کی وجہ سے اس کا خوف بڑھتا جا رہا تھا، وہ ہر قیمت پہ جلد سے جلد اس پاگل سے جان خلاصی چاہتا تھا.

"گولڈ مین۔۔۔" نوجوان نے پھنکارتے ہوئے کہا۔ وہ ساحر تھا۔

"میرا یقین کرو میں اس کے بارے میں نہیں جانتا۔۔" اکبر نے رو دینے والے لہجے میں کہا۔

"مجھے تم پہ یقین ہے۔" ساحر نے سینے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے ادب سے جھک کر کہا اور آگے بڑھ کر اکبر کی رسی ڈھیلی کی، اس کا جسم نہایت سرعت کے ساتھ ٹب کی طرف بڑھا اور کمرے میں چیخوں کی دوبارہ ریل پیل ہو گئی۔ اس بار اکبر گھٹنوں تک ٹب میں پہنچ چکا تھا اور اس کے پاؤں، گرم ٹب کے پیندے پہ رکے۔ اب وہ دوہرے عذاب میں تھا،

کھولتا ہوا تیل اسے الگ جلا رہا تھا اور تپتا ہوا پینیدہ الگ۔۔ اس نے ٹانگوں کو حرکت دے کر ٹب کو گرانے کی کوشش کی مگر تکلیف کے باعث اس سے یہ کام درست طریقے سے نہیں ہو پا رہا تھا۔

"رر۔۔۔رر۔۔۔راجو ہے گولڈ مین۔۔۔راجو ہے۔۔۔" اس نے چیختے ہوئے کہ

تو ساحر چونک گیا۔

"راجو۔۔ تمہارا اسسٹنٹ۔ میں کوئی فضول بکواس سننے کے موڈ میں نہیں ہوں۔ وہ دو ٹکے کا شخص کیسے گولڈ مین ہو سکتا ہے۔" ساحر نے غراتے ہوئے کہا۔

راجو، گولڈن کلب کا اسسٹنٹ مینجر تھا۔ ساحر نے اس کے بارے میں بھی معلومات اکھٹی کی تھیں۔ اسی وجہ سے وہ حیران ہوا کہ جو معلومات اسے ملی تھیں اس کے مطابق راجو تو ایک تھرڈ کلاس غنڈہ تھا۔۔ جبکہ گولڈ مین جیسی حیثیت پہ ہونے کے لئے اونچے درجے کا ذہن اور صلاحیتیں درکار تھیں۔

"میرا یقین کرو۔۔۔راجو ہی گولڈ مین ہے۔۔ پلیز مجھے نکالو۔۔۔میں سب بتاتا ہوں۔" اکبر نے درد سے بلبلاتے ہوئے کہا۔

ساحر نے رسی کھینچ کر اسے ٹب میں سے نکالا اور الماری کی طرف بڑھ گیا۔ اکبر کی جلد گھٹنوں تک جھلس چکی تھی، کھال کے نیچے موجود گلابی جلد اور صاف نظر آ رہی تھی۔۔ ٹب سے نکلتے ہی اکبر بے ہوش ہو گیا۔۔ تکلیف اس کی برداشت سے زیادہ ہو چکی تھی۔۔ ساحر نے الماری میں سے سپرے کی ایک بوتل نکالی اور اکبر کے گھٹنوں تک سپرے کرتا گیا۔ سپرے کرنے کے بعد اس نے کرسی کھینچ کر اکبر کے لٹکے ہوئے جسم کے نزدیک کی اور اس پہ کھڑے ہو کر اکبر کا ناک اور منہ دونوں ہاتھوں سے بند کیا، چند لمحوں کے بعد اکبر کے جسم نے جھٹکا کھایا تو ساحر اسے چھوڑ کر کرسی سے اترا اور کرسی کو گھسیٹ کر پہلے والی جگہ پہ لے گیا اور اس پہ بیٹھ کر اکبر کی طرف دیکھنے لگا۔

"آج تک پتہ نہیں کتنے انسانوں کو کھولتے تیل میں تلا ہو گا۔۔۔ خود دو جھٹکوں میں ہی بے ہوش ہو گیا۔۔۔" ساحر بڑبڑایا۔۔۔

اکبر پہلے تو خالی نظروں سے اسے دیکھتا رہا اور جیسے ہی اس کی آنکھوں میں شعور بھری چمک ابھری، وہ اچانک چیخنے لگا۔۔

"سپرے کر دیا ہے، فی الوقت تمہیں درد نہیں محسوس ہو رہا ہو گا۔"

ساحر نے کہا تو اکبر کی چیخوں کو بریک لگی اور اس نے چونک کر ٹانگوں کی

طرف دیکھا۔۔

ہوش میں آتے ہی اسے لاشعوری طور پہ کچھ دیر پہلے ہونے والے درد کا احساس یاد آیا تو چیخنا شروع ہو گیا۔۔ مگر ساحر کی بات سچ تھی، جب اس نے غور کیا تو اسے محسوس ہوا کہ اس کی ٹانگیں سُن ہو چکی ہیں اور درد محسوس نہیں ہو رہا۔

"اگر ٹانگوں کا دیدار جی بھر کے کر لیا ہو تو کام کی بات کریں۔۔" ساحر نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"راجو ہی گولڈ مین ہے۔۔ وہ ڈاج دینے کے لئے کلب میں اسسٹنٹ بنا ہوا ہے ورنہ اصل میں گولڈن کلب کا وہی مالک ہے، میں تو سب کے سامنے ڈرامے کے طور پہ موجود رہتا ہوں۔۔ کلب میں وہی ہوتا ہے جو راجو چاہتا ہے۔" اس نے جلدی جلدی بتاتے ہوئے کہا، جیسے اسے خطرہ ہو کہ ساحر دوبارہ اسے تلنے کے لئے نہ چھوڑ دے۔

"اس کا فون نمبر، حلیہ بتاؤ۔" ساحر نے پوچھا تو اکبر نے تیزی سے سب بتا دیا۔

"راجو کی گرل فرینڈ یا بیوی ہے؟" ساحر نے پوچھا تو اکبر نے کچھ نہ سمجھنے

والے انداز میں اس کی طرف دیکھا، جیسے کہہ رہا ہو کہ اگر بیوی یا گرل فرینڈ ہو بھی تو اس کا اِس سب سے کیا تعلق۔۔

"لگتا ہے ٹانگوں کے درد کے غائب ہونے کی وجہ سے تمہارے ٹخنوں میں موجود دماغ چلنا شروع ہو گیا۔۔۔ کچھ کرنا پڑے گا۔" ساحر غرایا۔

"سس۔۔ سس۔ سوری۔۔۔ ایک گرل فرینڈ ہے اسکی۔" اکبر نے کہا اور پھر خود ہی اس کے بارے تفصیل بتا دی۔۔ یہ ساری وہی تفصیل تھی جو ساحر کو آصف مرزا نے پہلے ہی بتا دی تھی۔۔ ساحر بھی بس یہ سب کنفرم کر رہا تھا۔

" راجو کے قریبی دوستوں میں کوئی ڈاکٹر بھی ہے؟" ساحر نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں۔۔۔ دو ڈاکٹر ہیں۔۔" اکبر نے کہا اور ساتھ ہی تفصیل بتانی شروع کی۔

ساحر نے اس سے براہِ رست پوچھ گچھ کرنے کے بجائے دوسرا ہی طریقہ استعمال کیا تھا۔۔ بجائے اس کے کہ وہ پہلے پوچھ گچھ کرتا اور پھر تشدد، اس نے پہلے تشدد کیا اور اکبر کے سارے کَس بل نکال کر اسی کی

فرمائش پہ پوچھ گچھ شروع کی۔ اس طریقے کا بہت فائدہ ہوا تھا، اکبر خود بخود ہر قسم کی معلومات اگلتا جا رہا تھا۔

"تم نے بہت ساتھ دیا۔۔۔ تم دل کے تو بہت اچھے ہو۔۔ ایویں ہی لوگ تمہارے خلاف ہیں۔۔" ساری معلومات ملنے کے بعد اس نے چہک کر اکبر سے کہا تو اکبر مسکرایا اور ساتھ ہی دل میں ساحر کو ایک عدد گالی دی۔

"مجھے معلوم ہے تم مجھے کوس رہے ہو۔۔" ساحر نے مسکرا کر کہا تو اکبر نے تیزی

سے نفی میں سر ہلایا جیسے بچے کی چوری پکڑی جائے تو وہ فوری نہ میں سر ہلاتا ہے۔ اسی وقت ساحر کے موبائل کی بیل بجی تو اس نے موبائل جیب سے نکالا اور پھر سکرین پہ موجود نام دیکھ کر وہ چونک گیا۔

"یس آنڈے۔۔۔۔" اس نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"باس۔۔۔ آپ کا پارسل تو سٹور سے غائب ہے۔" دوسری طرف سے پانڈے کی وحشت بھری آواز سنائی دی تو ساحر کے چہرے پہ بھی پریشانی ابھری۔۔

اس نے کلب سے ہی کبیر اور جبران، پانڈے کے حوالے کر دیئے تھے کہ ہسپتال لے جائے، اب پانڈے بتا رہا تھا کہ وہ ہسپتال سے غائب ہو گئے تھے۔

"سٹور چوک میں ہے؟" اس نے ہونٹ چباتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں۔۔ایک دوست کا ذاتی سٹور ہے۔۔بہت ہی محفوظ تھا۔۔پتہ نہیں کیسے پارسل غائب ہو گئے۔۔" پانڈے نے شرمندگی بھرے لہجے میں کہا۔

"کوئی کلیو؟" اس نے پوچھا

"نہیں۔۔سب کچھ نارمل ہے۔" پانڈے نے کہا۔

"پارسل کس پیکنگ میں تھے؟" ساحر نے پوچھا۔

"بنیادی پیکنگ ہو چکی تھی، پارسل شیشے کے تھے، صرف غیر ضروری حرکت سے ہی نقصان ہو سکتا ہے۔" پانڈے نے جواب دیا۔

"تو پارسل خود ہی ضروری حرکت کے لئے نکل گئے ہیں۔" ساحر نے نارمل ہوتے ہوئے کہا۔

"خود۔۔ایسا ممکن نہیں۔" پانڈے نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

"تمہارے لئے ممکن نہیں۔۔ میں دیکھ لیتا ہوں۔" ساحر نے کہا اور کال بند کر دی۔ کال بند کرتے ہی وہ کمرے سے نکل گیا۔۔ اکبر پیچھے چیختا ہی رہ گیا۔

"لگتا ہے بچے بات دل پہ لے گئے ہیں۔۔" وہ بڑبڑایا۔

☆

شہر کی سب سے اہم سڑک پہ بہت زیادہ رش تھا۔ رش کے باوجود موٹر سائیکل سوار اور سب ڈرائیوار حضرات اپنے باشعور شہری ہونے کا ثبوت دیتے ہوئے ہر قانون کو بالائے طاق رکھ کر جدھر سے جگہ ملتی تھی ادھر سے آگے بڑھتے جارہے تھے۔

ان کی رفتار اور ہمت دیکھ کر محسوس ہوتا تھا کے وہ ستاروں سے آگے والے جہاں کی تلاش میں ہیں۔ ہر شہری علاقے میں آئے روز ہونے والے حادثات بھی اُن کی اس "جہاں" کی تلاش کی راہ میں رکاوٹ نہیں بن پارہے تھے۔ اور سب کی دیوانگی دیکھ کر لگتا تھا کہ ایک دن وہ اُس جہاں کو پاکر ہی دم لیں گے۔

اسی بے ہنگم رش میں ایک کار تیزی سے، مگر شفاف ڈرائیونگ کے تحت سڑک پہ دوڑتی جارہی تھی۔ اس کار کا ڈرائیور شاید کسی اور

سیارے کا باشندہ تھا۔ وہ بہت ہی احتیاط اور قوانین کی پاسداری کے ساتھ گاڑی چلا رہا تھا جس کے نتیجے میں ہر دوسری گاڑی کا ڈرائیور اپنے ماورائی کرتب سے اس کی برداشت کا امتحان لے کر آگے گزر جاتا۔

گاڑی ٹریفک سگنل پہ پہنچ کر رک گئی۔ سگنل سرخ ہونے کے باوجود کچھ جانباز ڈرائیور ناک کی سیدھ میں آگے بڑھ گئے۔ سڑک کنارے کھڑا بوڑھا قانون سیٹیاں مارتا ہی رہ گیا۔ قانون کی سیٹی سے زیادہ اونچی سیٹیاں سگنل توڑنے والوں کی تھیں۔ جیسے ہی سگنل کی بتی سبز ہوئی کار آگے بڑھی۔ ابھی وہ چوک میں ہی پہنچی تھی کہ دوسری طرف سے ایک بڑی بس سگنل کو توڑتے ہوئے پوری سپیڈ سے اس کار سے ٹکرائی اور اسے لئے ہوئے آگے دوڑتی گئی۔ ٹریفک پولیس کے دو اہلکار اور چند لوگ کار کی طرف دوڑے، تب تک بس کا ڈرائیور بھاگ چکا تھا۔ پولیس والے نے ایمبولینس کے لئے کال کی۔ کار کی حالت دیکھ کر یہی اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ ڈرائیور کے زندہ ہونے کے چانسز نہ ہونے کے برابر ہیں۔ تھوڑی دیر میں ایمبولینس پہنچ گئی۔ تب تک گاڑی کی باڈی کاٹنے کے لئے بھی کچھ لوگ پہنچ چکے تھے۔ کار کی باڈی کاٹ کر جب زخمیوں کا نکالا گیا تو کار میں سے تین افراد نکلے۔ تینوں کی حالت

بہت نازک تھی۔ پھر دو اور ایمبولینس کا انتظام کیا گیا اور وہ زخمیوں کو لے کر تیزی سے ہسپتا ل کی طرف دوڑ پڑیں۔ تینوں زخمیوں کو ایمر جنسی روم میں کو لے جایا گیا۔ ڈاکٹرز بہت تندہی سے ان کی دیکھ بھال میں لگے تھے۔

دوسری طرف جب زخمیوں کو ایمبولینسز میں ڈالا جا رہا تھا تب ایک شخص ان زخمیوں کی ویڈیو بنا رہا تھا۔ پھر اس نے وہ ویڈیو کسی کو بھیجی اور دوسری طرف سے جواب ملنے پہ وہ ہجوم سے نکل کر اپنی گاڑی میں بیٹھا اور وہاں سے نکل گیا۔ مین روڈ پہ پہنچتے ہی اس نے فون نکالا اور کال ملائی۔

"آپ کا کام ہو گیا۔" اس نے مودبانہ لہجے میں کہا۔

"تمہیں یقین ہے کہ کام پورا ہو گیا؟" ایک کرخت آواز سنائی دی۔

"یس۔ لیکن اگر ابھی نہ بھی ہوا ہو تو ان کی حالت سے ظاہر ہے کہ وہ ہسپتال میں ایک دن بھی نہیں نکالیں گے۔" اس نے کہا۔

"مجھے پکی رپورٹ چاہیئے۔ ہسپتال جاؤ اور معلوم کرو کے ان کی کیا حالت ہے۔" دوسری طرف سے سخت انداز میں کہا۔

"ٹھیک ہے۔ میں خود جاتا ہوں۔" اس نے کہا اور کال بند ہو گئی۔ اس نے کار کا رُخ ہسپتال کی طرف موڑا۔ ایمر جنسی وارڈ میں داخل ہونا منع تھا۔ اس نے کھڑکی سے ہی دیکھا تو اسے اُن زخمیوں میں سے ایک ہی نظر آیا۔ دوسرے شاید ایسی جگہ تھے جو کھڑکی سے نظر نہ آتی تھی۔ وہ ڈاکٹر کے پاس پہنچا۔

"ڈاکٹر صاحب۔ جو مریض ابھی کار کے حادثے میں لائے گئے ہیں ان کے کیا حالات ہیں؟" اس نے لہجے کو باوقار بنانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"آپ کون ہیں؟" ڈاکٹر نے پوچھا۔

"اُن میں سے ایک میرے کارخانے کا مینجر ہے۔" اس نے کہا۔

"سر۔ تینوں کی حالت نازک ہے۔ کل تک ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔ ان میں سے ایک کی تو بہت ہی خطرناک حالت ہے۔" ڈاکٹر نے افسوس سے کہا۔

"آپ خرچے کی پریشانی مت کیجئے گا۔ بس ان کو بچا لیں۔" اس نے منت بھرے لہجے میں کہا۔

"یہ سرکاری ہسپتال ہے۔ خرچہ ویسے بھی نہیں ہو گا۔ آپ بس دعا کریں۔" ڈاکٹر کہہ کر آگے بڑھ گیا۔ وہ شخص مڑا اور پارکنگ کی طرف چل دیا۔ اپنی گاڑی نکال کر اس نے دوبارہ کال کی۔

"آپ کے مریض ابھی تک تو وہ زندہ ہیں۔ لیکن کل تک زندہ رہنے کی امید نہیں۔ میں ابھی ڈاکٹر سے مل کر آیا ہوں۔" اس نے کہا۔

"اوکے۔ کسی کو نگرانی پہ بھیج دو۔ ہو سکتا ہے ان کا کوئی ساتھی بھی ہو۔" جواب ملا۔

"آپ کہیں تو۔۔ ہسپتال میں ہی نہ ان کا خاتمہ کر دیں؟" اس نے کہا۔

"فضول میں گلے مصیبت ڈالنے کی ضرورت نہیں ۔ حادثے کو قتل بنانے کی غلطی مت کرو۔ ویسے بھی اب وہ کافی عرصہ ہلنے جلنے کے قابل نہیں۔ اگر زندہ بچ بھی گئے تو بعد میں دیکھ لیں گے۔ مگر نگرانی میں کوتاہی مت کرنا۔" آخری جملہ غرا کر کہا گیا تھا۔۔

"جی میں خیال رکھوں گا۔" اس نے سہمے ہوئے انداز میں کہا اور ساتھ ہی کال بند ہو گئی۔ اس نے گاڑی اپنی رہائش گاہ کی طرف موڑ دی۔ اب وہ کچھ دیر آرام کرنا چاہتا تھا۔

لوگ اسے مختلف کاموں کے لئے ہائر کرتے تھے۔ اس کام کے لئے بھی اسے بہت بڑی رقم کے عوض اسے ہائر کیا گیا تھا۔ کام مکمل ہونے کے بعد اب وہ سکون میں تھا۔ کوٹھی کے گیٹ پہ اس نے مخصوص انداز میں ہارن دیا اور گاڑی کو گیٹ کھلنے پہ اندر لے گیا۔ پورچ میں گاڑی کھڑی کر کے وہ اندر داخل ہوا اور سیدھا اپنے کمرے میں چلا گیا۔ کمرے میں اس نے موبائل وغیرہ ایک میز پہ رکھا اور نہانے چلا گیا۔ جیسے ہی وہ واش روم میں داخل ہوا اس کے سر پہ ایک دھماکا ہوا۔ اسے اپنا سر چکراتا ہوا محسوس ہوا۔ اس نے سر جھٹکا لیکن اسی وقت اس کا سر کسی نے دیوار کے ساتھ دے مارا اور اس کے حواس اس کا ساتھ چھوڑ گئے۔

یکدم اسے لگا جیسے وہ مرنے والا ہو۔ اس کی سانس رک رہی تھی مگر اس سے اٹھا بھی نہیں جا رہا تھا۔ اسی وقت اس کے ناک منہ پہ پڑا بوجھ ہٹ گیا اور اس کا دماغ جاگنے لگا۔ اس نے آنکھیں کھولیں۔ لیکن اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ کچھ دیر بعد اس ماحول سمجھ آنا شروع ہوا۔ یہ اسی کی رہائش گاہ کا کمرہ تھا۔ اس نے اٹھنے کی کوشش کی مگر وہ اٹھ نہ سکا۔ وہ کرسی سے بندھا ہوا تھا۔ اس نے حیرت سے اِدھر اُدھر

دیکھنے کی کوشش کی۔ اس کی کرسی لکڑی کے بیڈ کے سے گدے ہٹا کر اس پہ رکھی گئی تھی۔ سائیڈ والی کرسی پہ ایک نقاب پوش بیٹھا ہوا تھا۔ نقاب پوش کھڑا ہو گیا۔ اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ اور وہ اس بندھے ہوئے شخص پہ ہی جمی ہوئی تھیں۔

"کون ہو تم؟" اس شخص نے نقاب پوش کو گھورتے ہوئے پوچھا۔

نقاب پوش نے

جواب نہیں دیا اور بجلی کے بورڈ کے طرف بڑھا۔ بورڈ میں ایک تار کا پلگ لگا ہوا تھا۔ پلگ جدید قسم کا تھا۔ اس پہ کچھ ریڈنگز آ رہی تھیں۔ نقاب پوش نے ریڈنگ کو دیکھ کر سر ہلایا اور وائر پکڑ کر بندھے ہوئے شخص کے پاس آیا۔ اس شخص نے وائر کی طرف الجھے ہوئے انداز میں دیکھا لیکن اگلے ہی لمحے اس کے ہوش اڑ گئے۔ وائر کا جو سِرا نقاب پوش اس کی طرف بڑھا رہا تھا وہ ننگا تھا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ نقاب پوش اسے کرنٹ لگانے والا ہے۔

"کک۔۔ کک۔۔ کیا چاہتے ہوئے تم؟" اس نے خوفزدہ لہجے میں پوچھا لیکن نقاب پوش نہیں بولا۔ اس نے وہ ننگی تار بندھے ہوئے شخص کے

ہاتھ پہ رکھ دی۔ اور اس شخص کی زوردار چیخ نکلی۔ اسے جھٹکے لگنے شروع ہو گئے۔ نقاب پوش نے تار تیزی سے واپس کھینچ لی۔

"پلیز۔۔ کیا چاہتے ہو تم؟" اس نے رونے والے انداز میں کہا اور نقاب پوش نے پھر تار اس کے ہاتھ پہ رکھ دی۔ اسے دوبارہ جھٹکے لگنا شروع ہو گئے۔ نقاب پوش نے تار دوبار پیچھے کر لی۔

"نام؟" نقاب پوش نے کرخت لہجے میں پوچھا۔

"فضل۔۔" اس نے فوری جواب دیا۔

"راجو بھی نام ہے؟" نقاب پوش نے کہا۔

"میرا ہی نام ہے۔ میں کئی نام استعمال کرتا ہوں۔" فضل نے حیرت سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا، جیسے پوچھ رہا ہو کہ تمہیں کیسے پتہ چلا۔

"میں تمہیں راجو کے رُوپ میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ تم گولڈن کلب کے اسسٹنٹ مینجر ہو۔۔ جبکہ فضل والے رُوپ میں تم ابھی میرے سامنے موجود ہو۔" نقاب پوش نے اس کی حیرت دیکھ کر جواب دیا۔

"کس کے لئے کام کرتے ہو؟" اس نے پوچھا۔

"جو بھی مجھے ہائر کر لے۔ تم مجھ تک کیسے پہنچے؟" فضل نے کہا۔

"جب تم ہسپتال مریضوں کی عیادت کر رہے تھے تب سے میں تمہارا پیچھا کر رہا تھا۔ " نقاب پوش نے طنزیہ انداز میں لفظ عیادت پہ زور دیتے ہوئے کہا۔

"یہ کام کس نے تمہارے ذمہ لگایا تھا؟ " نقاب پوش نے پوچھا۔

"وہ۔۔وہ۔۔" فضل اٹک گیا۔ اور نقاب پوش نے تیزی سے تار اس کے ہاتھ پہ رکھی اور فضل چیخنا شروع ہو گیا۔ اس نے تار ہٹالی۔

"ایوب۔۔ایوب بختاور۔ " فضل نے ہانپتے ہوئے کہا۔

"کون ایوب بختاور؟ " نقاب پوش نے ایسے لہجے میں کہا جیسے وہ کسی ایوب بختاور کو جانتا ہو۔

"وہ اس علاقے کی ایک با اثر سیاسی شخصیت ہے۔ سب جانتے ہیں اُسے۔ " فضل نے کہا۔

"تم جھوٹ بول رہے ہو۔ " نقاب پوش نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

"قسم سے سچ بول رہا ہوں۔ تم میرے فون سے اس کا نمبر لے کر کنفرم کر سکتے

ہو۔" فضل نے منت بھرے انداز میں کہا۔ اسے بجلی کے جھٹکوں کا خیال ہی سیدھا کرنے کے لئے کافی تھا۔

"ایوب بختاور کا ایڈریس بتاؤ۔" نقاب پوش نے پوچھا۔ فضل نے جلدی سے پتہ بتا دیا۔

"تم کبھی وہاں گئے ہو؟" نقاب پوش نے پوچھا۔

"ہاں ایک بار گیا تھا۔" فضل نے جواب دیا۔

"تو وہاں کا پورا نقشہ سمجھاؤ جتنا بھی تمہیں یاد ہے۔ اور سکیورٹی کے انتظامات بھی۔" نقاب پوش نے کہا اور فضل نے جلدی جلدی سب بتانا شروع کر دیا۔

"تمہارا تیسرا نام گولڈ مین ہے؟" نقاب پوش نے کہا تو فضل کو یوں جھٹکا لگا جیسے اس نے بجلی کی ننگی تار پکڑ لی ہو۔۔

"تمہیں یہ کس نے بتایا؟" اس کے منہ سے نکلا تو نقاب پوش تار پکڑ کر آگے بڑھا۔۔

"سس۔۔ سوری۔۔۔ میں گولڈ مین نہیں ہوں۔۔ بس گولڈ مین کے طور پہ کام سامنے رہتا ہوں۔۔۔" فضل نے جواب دیا۔

"اصل گولڈ مین کون ہے؟" اس نے پوچھا۔

"میں نہیں جانتا۔۔ مجھے فون پہ احکامات اور بڑی بڑی رقمیں مل جاتی ہیں، اور کرنا بھی کچھ نہیں ہوتا۔۔۔ لہذا میں نے کبھی تلاش بھی نہیں کیا۔" فضل نے کہا۔

"ایوب بختاور کا کوئی گروپ۔۔۔ یا کسی خاص گروپ سے تعلق ہے؟" نقاب پوش نے کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد پوچھا۔

"اس کا مجھے علم نہیں۔ اس کار کا کلیو مجھے ایوب نے ہی دیا تھا۔ مجھے تو یہ بھی نہیں معلوم کہ کار میں کون تھے۔" فضل نے کہا۔

"کار میں اس ملک کے تحفظ کی خاطر جان قربان کرنے والے سوار تھے جنہیں تم نے چند سکوں کے لئے اس حال میں پہنچا دیا۔ تمہاری سزا موت ہے۔" نقاب پوش نے کہا اور اس سے پہلے کے فضل کچھ کہتا، نقاب پوش نے سائلنسر لگا پسٹل نکالا اور گولی سیدھی فضل کی پیشانی میں لگی۔ اسے چیخنے کا موقع بھی نہ ملا۔ نقاب پوش نے اسے کھولا اور فضل کی باڈی سمیت ہر چیز کو ترتیب سے رکھا۔ فضل کے موبائل سے چند ایک لوگوں کے نمبرز کاپی کئے اور اس کا سیل آف کر دیا۔ دوسرے فون سیٹ کا ریسیور اٹھا کر اس نے سائیڈ پہ رکھا۔ فضل کے جسم پہ چادر

ڈالی دروازے کو اندر سے لاک کیا۔ بجلی کی وائر اور پلگ اتار کر بیڈ کے نیچے پھینک دیا اور کمرے کی کھڑکی سے باہر کود گیا۔

☆

گولڈن کلب کا مینجر اکبر، آسمان سے لٹکے اسے تارے کی مانند تھا جو اگر گرتا تو نیچے موجود ابلے ہوئے کھجوری تیل میں ہی گرتا۔ اسے، اس حالت میں لٹکے ہوئے چار سے پانچ گھنٹے ہو چکے تھے۔ جب وہ نوجوان (ساحر) اس سے معلومات لے رہا تھا تو اسے کسی کی کال آئی، کال پہ وہ کسی "آنڈے" سے بات کر کے وہاں سے نکل گیا اور اکبر بے پینٹ و شرٹ اسے آوازیں دیتا رہ گیا۔ نوجوان کے سر میں شاید جوئیں بھی نہیں تھیں ورنہ اکبر کی چیخ و پکار سے اس کے کان پہ جوں تو ضرور رینگنی چاہئے تھی۔ "آنڈے" نام سے اکبر یہ تو جانتا تھا کہ وہ کسی کا نام بگاڑ کر پکار رہا تھا مگر کسے؟۔۔۔ وہ ایسے کسی شخص کو نہیں جانتا تھا جس کا نام آنڈے سے ملتا جلتا ہو۔

اس نے نوجوان کو واقعی سچ بتایا تھا کہ راجو ہی گولڈ مین ہے کیونکہ وہ در حقیقت راجو کے ہی ماتحت کام کرتا تھا۔ اس عجیب سے سیٹ اپ کی وجہ سے وہ شروع شروع میں خود الجھن کا شکار رہا تھا کہ راجو کو کیا مصیبت پڑی ہے کہ وہ بظاہر اکبر کا اسسٹنٹ بن کر کام کرے، لیکن جب اکبر کو مراعات اور بڑی بڑی رقمیں ملیں تو اس نے ایسی الجھنوں کو کفرانِ نعمت مانتے ہوئے جھٹک دیا اور اپنی ڈیوٹی کو ایمانداری سے

نبھانے لگا۔ مگر جب سے وہ ان تین لوگوں سے ٹکرایا تھا، اس کے ذہن میں دوبارہ انہی الجھنوں نے سر اٹھایا کہ آخر راجو ایسا کون سا کام کرتا ہے جس کے لئے وہ گولڈ مین بنا پھرتا ہے اور اکبر اس سے لاعلم ہے۔ اکبر ان تینوں نوجوانوں کے انداز سے سمجھ گیا تھا کہ وہ لوگ راجو اور اکبر کے بس سے باہر ہیں، اور ضرور کسی حکومتی ادارے سے منسلک ہیں۔ مگر یہ بھی تو محض قیاس آرائی ہی تھی، اکبر کے پاس اسکا کوئی ثبوت تو نہ تھا۔

چھت سے لٹکے ہوئے وہ انہی سوچوں میں گم تھا کیونکہ اور کچھ تو وہ کرنے کے قابل نہیں تھا۔ اب اس کے بازو شَل ہو چکے تھے اور اسے یوں لگ رہا تھا جیسے کسی بھی لمحے اس کے بازو اس کے جسم سے الگ ہو جائیں گے اور وہ نیچے گر پڑے گا۔ جس قسم کی لٹکی ہوئی تکلیف سے وہ جڑا ہوا تھا، شاید وہ خود دل میں یہی دعا کر رہا تھا کہ اس کے بازو کٹیں اور وہ اس عذاب سے تو نکلے۔

دروازے کے اس پار قدموں کی آہٹ پا کر اس کی آنکھوں میں چمک ابھری کہ چلو کوئی تو آیا۔۔ اور پھر دروازے سے ظاہر ہونے والے شخص کو دیکھ کر وہ الجھ سا گیا۔ دروازے سے ایک نقاب پوش اندر

داخل ہوا، اس کا لباس اور نقاب سیاہ تھے اور ہاتھوں پہ سیاہ دستانے موجود تھے۔ اس نے دروازے میں رک کر ایک نظر اکبر پہ ڈالی اور پھر پر سکون چال چلتے ہوئے خالی کرسی پہ براجمان ہو گیا۔

"مجھے اس عذاب میں کیوں لٹکا رکھا ہے۔۔ یا گولی مار دو یا جانے دو۔" اکبر نے سخت لہجے میں کہا جیسے سامنے موجود نقاب پوش اس کا ملازم ہو۔

"گولی بھی مار دوں گا۔۔۔ راجو کو تو میں نے ٹھکانے لگا دیا ہے۔" نقاب پوش نے ایسے لہجے میں کہا جیسے کسی مکھی کو مار کر آیا ہو، اس کی بات سن کر اکبر کو جھٹکا لگا اور

آنکھیں پھیلنے لگیں۔

"ابھی تو میں نے تمہیں بتایا ہے اس کے بارے میں۔۔ تم اتنی جلدی اس تک کیسے

پہنچ گئے؟" اکبر نے اٹکتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"مجھے؟ میری تو تم سے پہلی ملاقات ہے۔" نقاب پوش نے حیرت بھرے لہجے میں کہا تو اکبر نے پہلی بار اس کے لہجے پہ غور کیا۔۔ یہ واقعی اور آواز تھی۔

"تم نے کسی اور کو بتایا ہو گا۔" وہ دوبارہ بولا۔

"کیا چاہتے ہو تم مجھ سے؟" اکبر نے سنبھلتے ہوئے پوچھا۔

"ایوب بختاور۔۔ تمہارا چچا زاد بھائی۔ اس کے بارے میں مکمل معلومات۔ اس کے دوست، دشمن، کاروباری حصہ داران وغیرہ وغیرہ۔۔" نقاب پوش نے کہا تو اکبر نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"اس کے بارے میں کیوں جاننا چاہتے ہو؟" اکبر نے پوچھا۔

"ایک انکم سپورٹ پروگرام میں اس کے نام کی بہت بڑی رقم اور ساتھ ہی کئی تولے سونا نکلا ہے۔۔۔ وہ پہنچانا ہے۔" نقاب پوش نے جواب دیا۔

"یہ تم الجھی الجھی باتیں کیوں کر رہے ہو۔۔۔ سیدھی طرح بتاؤ۔" اکبر نے کہا اور نقاب پوش کا ہاتھ جیب میں گیا، جب ہاتھ بر آمد ہوا تو اس کے ساتھ ایک ریوالور چپکا ہوا تھا، اسے سے پہلے کہ اکبر کو سمجھ آتی۔۔۔ ٹھائیں کی آواز کے ساتھ اکبر کے منہ سے چیخ اچھل کر نکلی۔۔۔ گولی اس کی ران میں گھسی تھی۔ نقاب پوش نے پسٹل دوبارہ بلند کیا۔

"رر۔۔۔رکو۔۔بتاتاہوں۔۔مجھے کیا ضرورت ہے اُس کے لئے معذور ہونے کی۔" اکبر نے چیختے ہوئے کہا تو نقاب پوش نے پسٹل والا ہاتھ نیچے کر لیا۔

"پپ۔۔پانی۔۔۔" اکبر نے خشک ہونٹوں پہ زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

"تمہیں میرے ساتھ پانی کی کوئی ٹینکی لٹکی ہوئی نظر آرہی ہے؟" نقاب پوش نے غرا کر پسٹل بلند کرتے ہوئے کہا اور اکبر کی زبان فل سپیڈ پہ ایوب بختاور کی فائل پڑھنا شروع ہو گئی۔

"اس کے کون کون سے کاروبار ہیں؟" نقاب پوش نے پوچھا۔

"فلور ملز، امپورٹ ایکسپورٹ اور تعلیمی ادارے۔ اس کے علاوہ ویلفئیر فاؤنڈیشنز بھی ہیں۔" اکبر نے جواب دیا۔

"اس کی رہائش گاہ کے بارے میں بتاؤ۔۔ مطلب سکیورٹی وغیرہ۔" نقاب پوش نے کہا تو اکبر نے رہائش گاہ کے بارے میں ایسے تفصیلی نقشہ کھینچا جیسے اس نے خود عمارت بنائی ہو۔

"اس کے زیادہ قریبی کون سے دوست، پارٹنرز ہیں؟"

"اس شہر میں تو تین چار ہیں۔۔ دوسرے شہروں کے لوگ بھی ہیں۔" اس نے جواب دیا۔

"ان میں سے اس شہر میں رہنے والوں میں کوئی پولیس افسر یا بڑا ڈاکٹر ہے؟"

"ہاں۔۔ایک پولیس افسر ہے۔۔سپریڈنٹ ہے۔۔گلریز نام ہے اس کا۔۔وہ اس کے بہت قریب ہے۔ایک ڈاکٹر بھی ہے، اس کا نام برکت صغیر ہے۔"

"گلریز صاحب کہاں پائے جاتے ہیں؟"

"اس کے عام تین ہی ٹھکانے ہیں۔گھر، تھانہ اور سٹی ہوٹل کا بار روم۔"

"اوکے۔۔۔" نقاب پوش نے کہا اور باہر نکل گیا۔۔اکبر کا چہرہ پھر سے بجھ گیا کہ اب پھر لٹکے رہنا پڑے گا۔۔۔مگر کچھ ہی دیر بعد وہ نقاب پوش لوٹ آیا۔۔اس کے ہاتھ میں پانی کی بوتل تھی۔۔اس نے کرسی آگے کھینچ کر اکبر کے قریب کی اور اس پہ کھڑے ہو کر بوتل اکبر کے منہ سے لگائی۔۔اکبر غٹاغٹ پانی پینے لگا۔۔جلد ہی بوتل خالی ہوئی وہ نقاب پوش کرسی اسے اترا۔

"تم نے جو حال ان دو لوگوں کو کیا تھا جلا کر، میرا دل تو یہی چاہتا ہے کہ تمہیں اس ٹب میں ہی ڈال دوں۔۔مگر میں اس درجے پہ جانا فی الوقت پسند نہیں کرتا۔لہذا تمہیں آسان موت مبارک ہو۔۔" نقاب پوش

نے کہا اور اکبر کے بولنے سے پہلے ہی جیب سے پسٹل نکالا اور ساتھ ہی گولی چلادی۔۔ گولی اکبر کی پیشانی میں گھسی اور اکبر کو چیخنے کا بھی موقع نہ مل سکا۔

"سوری۔۔ مگر تمہیں چھوڑنے کا مطلب سب کچھ خطرے میں ڈالنا تھا۔" اس نے اکبر کے مردہ جسم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور باہر نکل گیا۔

"اب مریضوں کو بھی شفٹ کرنا پڑے گا۔۔۔۔۔ پھر گلریز کا کام بھی تمام کرنا ہے۔۔۔۔" اس نے کمرے سے نکل کر ہنکارہ بھرا۔

شام ہونے کے باوجود سٹی پولیس اسٹیشن کی گہما گہمی اپنے عروج پہ تھی ۔ مسائل میں گھرے لوگ اس طرح سے وہاں طواف کر رہے تھے جیسے چیلیں زمین پہ موجود اپنے کھانے کے گرد آسمان پہ منڈلاتی

ہیں۔ فرق صرف یہ تھا کہ مردار بھی وقت کے ساتھ ختم ہو جاتا تھا اور چیلوں کی تعداد۔۔۔ مگر یہاں نہ تو مسائل کا مردار ختم ہوتا تھا اور نہ ہی انصاف فراہم کرنے والی چیلیں۔۔ اکثر چیلیں اسی آس پہ اونگھ رہی تھیں کہ مردار ان کی میز پہ چُپکے سے پہنچ جائے۔ جن مدعیوں یا مجرموں کے پاس یہ سہولت وافر تھی وہ مردار کو پیکٹ میں سجا کر، چھپا کر لاتے اور روشن چہروں کے ساتھ حاضری دیتے۔۔ کبھی کبھی حلال کو بھی مجبوراً، اس مردار کے نعمل البدل کے طور پہ پیش کیا جاتا جبکہ اکثر لوگ تو بس چکر ہی کاٹتے رہ جاتے۔

آفس طرز کے کمرے میں ایک ادھیڑ عمر شخص کسی فائل پہ جھکا تھا۔ وہ شکل سے تو کاروباری قسم کا نظر آتا تھا مگر تھا وہ پولیس میں۔۔ توند کا سائز فون کی ماحولیاتی آلودگی کی طرح بڑھ رہا تھا۔۔

گھنٹی سن کر اس نے چونک کر ایک طرف موجود فون کی طرف دیکھا۔ سرخ رنگ کے سیٹ کا ریسیور اٹھایا اور چند لمحے چپ ہی رہا۔

"یس۔۔۔ سپریڈنٹ گلریز۔۔۔۔۔" اس نے جیسے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"سر گولڈن کلب کے راجو کو ختم کر دیا گیا ہے۔" دوسری طرف سے مودبانہ آواز میں اطلاع دی گئی اور گلریز کے پاؤں میں جیسے کسی نے بم چلا دیا ہو۔۔وہ اچھل کر کھڑا ہوا۔

"کیا کہہ رہے ہو تم؟"۔وہ حلق کے بل چیخا۔

"سر۔۔وہ فضل کے نام سے ایک قاتل کے روپ میں اپنی خفیہ رہائش گاہ پہ موجود تھا، وہیں اسے مارا گیا ہے۔۔ابتدائی رپورٹ کے مطابق اسے بجلی کے جھٹکے بھی دیئے گئے ہیں۔" جواب ملا۔

"اوکے۔۔۔مجھے صورتحال سے آگاہ رکھنا۔" اس نے کہا اور ریسیور پٹخ دیا۔

وہ بے چینی سے ہونٹ کاٹ رہا تھا اور ساتھ ساتھ ریوالونگ چیئر پہ جھول رہا تھا۔ کافی دیر اسی حالت میں رہنے کے بعد اس نے سیاہ رنگ کے فون کا ریسیور اٹھایا اور نمبر ملایا۔

"یس۔۔۔" دوسری طرف سے سرد آواز سنائی دی۔

"راجو کے بارے میں خبر ملی؟" گلریز نے پوچھا۔

"ہاں۔۔۔اکبر بھی غائب ہے، خدشہ تو یہی ہے کہ وہ بھی راجو کے ساتھ ہی کام

آگیا ہو گا۔" دوسری طرف سے اس بار قدرے پریشان سی آواز میں جواب ملا۔

"یہ وہی سلسلہ تو نہیں؟" گلریز نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے کہ وہی سلسلہ ہے۔۔" جواب ملا۔

"وہ دونوں جی ایم کے بارے میں کچھ جانتے تھے؟" گلریز نے پوچھا۔

"نہیں۔ یہ بات میں تمہیں کئی بار بتا چکا ہوں۔" غصیلی آواز میں جواب ملا۔

"اب کیا کرنا ہے؟" گلریز نے جیسے سوچ میں ڈوب کر کہا۔

"تھوڑی دیر تک رابطہ کرتا ہوں ایک کلائنٹ کی کال آ رہی ہے۔" دوسری طرف سے کہا گیا اور کال بند ہو گئی۔

اس نے ریسیور رکھا اور دوبارہ کرسی پہ جھولنے لگا۔ اس نے فائل بند کر کے ایک طرف کھسکا دی تھی، شاید اس کا دھیان کہیں اور اٹک چکا تھا ۔ اسی طرح بیس منٹ گزرنے کے بعد سیاہ فون کی گھنٹی بجی، اس نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھایا۔

"یس۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔"

"میرے پاس ایک سراغ ہے۔ جی ایچ کیو میں تین لوگ ایکسیڈنٹ کی وجہ سے ایڈمٹ ہیں۔۔ ان میں سے دو کے جسم جھلسے ہوئے ہیں۔ وہ اس کیس میں ملوث ہیں۔" دوسری طرف سے تیز لہجے میں جواب ملا۔

"تمھیں کیسے پتا چلا؟" گلریز نے پوچھا۔

"یہ تو مجھے دوپہر کا پتہ ہے۔۔ راجو کو میں نے ہی انہیں مارنے کا کام سونپا تھا مگر وہ

خود۔۔۔۔" اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

"تو پھر؟ کسی کو ہائر کروں؟" گلریز نے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ اس چکر کو روکنے کے لئے ہمیں خود فیلڈ میں آنا پڑے گا۔ تم پولیس میں ہونے کا فائدہ اٹھاؤ۔۔ خود ہی آگے آجاؤ۔۔ انہیں مجرم پوز کر کے جیل میں ڈالو۔۔ وہیں ان کا خاتمہ کر دیں گے۔" جواب ملا۔

"گڈ۔۔ بہت اچھا آئیڈیا ہے۔ لیکن ان کی حالت کے پیشِ نظر انہیں گرفتار کیسے کیا جائے؟" گلریز نے پوچھا۔

"یہ تو اور بھی اچھا ہے۔۔ مزاحمت نہیں ہو گی۔ ایمبولینس اور ڈاکٹرز کے ساتھ جاؤ۔۔ کسی بھی قانونی شق کو ہتھیار بنا کر اٹھا لاؤ۔۔ بعد میں

کہہ دیں گے کہ اپنی حالت کی وجہ سے وہ خود ہی مر گئے۔ اگر انکوائری ہوئی بھی تو سنبھال لیں گے۔" جواب ملا تو گلریز کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

"اوکے۔۔ اس لحاظ سے تو رسک سارا میرا ہی ہے تو میرا حصہ بھی بڑھنا چاہئے۔" گلریز نے ہونٹوں پہ زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

"وہ بعد میں ڈسکس کر لیں گے۔۔ تم پہلے یہ کام کرو۔"

"بعد میں تو تم جی۔ ایم بن کر بات کرتے ہو، ابھی فائنل کرو۔" گلریز نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

"اوکے۔۔ بیس کی بجائے پچیس فیصد تمہارا حصہ۔" جی ایم نے فوری حامی بھری۔

"گڈ۔۔ یہ ہوئی نہ بات۔۔۔ اب میں دیکھوں گا کہ وہ کیسے بچتے ہیں۔" گلریز نے چہک کر کہا۔

"انہیں ہلکا مت لینا۔۔۔ وہ اب تک اپنے رستے میں آنے والی ہر شے کو تہس نہس کرتے ہوئے یہاں تک پہنچے ہیں۔" جی ایم نے اس بار غرا کر کہا اور کال بند ہو گئی۔

"اب تک ان کا سامنا مجھ سے جو نہیں ہوا۔۔۔" وہ بڑبڑایا اور انٹر کام کا ریسیور اٹھایا۔

"یس سر۔۔۔" دوسری طرف سے مودبانہ آواز آئی۔

"سکندرے کو کہو کہ ریڈ پارٹی۔۔ تین ایمبولینس سمیت تین ڈاکٹرز کو ساتھ لے لے، آج پولیس ہسپتال سے مجرم پکڑے گی۔" اس نے کہا اور ریسیور رکھ دیا۔ پھر اٹھ کر سٹینڈ سے اپنی کیپ اٹھا کر سر پہ رکھی اور ہاتھ میں محکمانہ ڈنڈا پکڑے وہ باہر نکلا۔

☆

انڈے کے چھلکے جیسے چمکدار سر والا لمبا تڑنگا، سانولی رنگت والا ادھیڑ عمر شخص منہ میں ماچس کی تیلی گھماتے ہوئے سڑک پار ہسپتال پہ نظریں گاڑے کھڑا تھا۔ اس کا ایک پاؤں زمین پہ جیسے وائبریٹ کر رہا تھا جو اس بات کی نشاندہی کر رہا تھا کہ وہ شدت سے کسی کا انتظار کر رہا ہے۔ اس نے ڈھیلا ڈھالا لباس پہن رکھا تھا، ایک کلائی میں بھاری کڑا

تھا۔۔ انگلیاں رنگ برنگی انگوٹھیوں سے بھری ہوئی تھیں۔ اس نے منہ سے تیلی تھوک کر جیب میں ہاتھ ڈالا اور ایک پڑیا نکال کر اس پہ سے ربڑ اتار کر چھوٹا سا پیکٹ سیدھا کیا۔۔ پھر انگلیوں کی مدد سے چٹکی بنا کر پیکٹ کو احترام سے بند کر کے جیب میں رکھا۔۔ ایک ہاتھ سے اپنا منہ اس طرح کھولا جیسے بھکاری اپنی جھولی پھیلاتا ہے۔۔ اور اس چٹکی کو بڑی نفاست سے دانتوں کی دیوار کے ساتھ سیٹ کر کے ہاتھ جھاڑے۔۔ اب اس کی پاؤں کی وائبریشن میں کمی آ گئی تھی جیسے بے چینی کو ذرا سکون میسر ہوا ہو۔۔ اسی وقت تین بڑی ویگنیں ہسپتال کے گیٹ سے اندر داخل ہوئیں۔۔ گاڑیوں کو اندر گھستے دیکھ کر وہ بھی تیزی سے سڑک کراس کرتے ہوئے ہسپتال کے احاطے میں داخل ہوا۔ گاڑیاں

ایک طرف رکیں اور ان میں سے کچھ نرسیں اور ڈاکٹر نکلے۔ گاڑیوں سے نکلتے ہی وہ ہسپتال کی عمارت میں داخل ہوئے۔۔ وہ شخص بھی ان کے پیچھے پیچھے ہی تھا، ان سب کا رخ ہسپتال کے انچارج کے کمرے کی طرف تھا۔ کمرے کے سامنے پہنچ کر سب رک گئے۔۔ ایک ڈاکٹر جو شاید ان کا لیڈر تھا، وہ اندر داخل ہوا۔۔ کافی دیر بعد وہ کمرے سے نکلا تو

اس کے چہرے پہ اطمینان پھیلا ہوا تھا، اس نے گنجے شخص کی طرف دیکھا اور سر ہلا کر مخصوص اشارہ کیا تو گنجا مسکراتے ہوئے باہر کی طرف بڑھ گیا۔ جلد ہی وہ سڑک پار کر کے ایک طرف کھڑی کار میں بیٹھا۔ کار میں بیٹھتے ہی اس نے جیب سے فون نکالا اور نمبر ملا کر نظریں دوبارہ ہسپتال پہ جما دیں۔

"باس۔۔۔ کام ہو گیا۔ تینوں زخمیوں کو نقلی ٹرانسفر آرڈرز دکھا کر ڈسچارج کروالیا گیا ہے۔" اس نے مودبانہ لہجے میں کہا۔

"یس باس۔۔ کوئی مسئلہ نہیں بنا۔۔ میں نے ڈاکٹرز کی پوری ٹیم بھیجی ہے۔۔ مجھے یقین ہے کہ کسی کو بھی شک نہیں پڑے گا۔ یہاں سے ہم سیدھے پوائنٹ ون پہ جائیں گے۔۔ جہاں پہ ڈاکٹرز کی ٹیم اور گاڑیاں بدل دی جائیں گی۔ اس طرح کسی کو بھی پتہ نہیں چلے گا کہ زخمی دراصل گئے کدھر۔۔ پھر جو آپ حکم کریں۔" اس نے دوسری طرف سے جواب سن کر تفصیل بتائی۔

"یس باس۔۔ میں اور میرے لوگ پھیل کر گاڑیوں کو اپنی نگرانی میں لے کے جائیں گے۔۔" اس نے کہا۔

"اوکے باس۔۔۔بائی۔" اس نے دوسری طرف سے بات سننے کے بعد کہا اور فون سائیڈ سیٹ پہ رکھ دیا۔ اس کے دونوں ہاتھ گاڑی اسٹیرنگ پہ طبلہ بجانے میں

مصروف ہو گئے تھے۔۔

تھوڑی دیر بعد وہی تینوں گاڑیاں جب ہسپتال سے نکلیں تو اس نے بھی گاڑی سٹارٹ کی اور دھیمی رفتار سے ایک طرف کو چل پڑا۔۔

وہ جانتا تھا کہ سامنے جانے والی تینوں گاڑیاں، بہت سی دوسری گاڑیوں کے حصار میں جا رہی تھیں۔۔ وہ اس کام میں کسی قسم کا کوتاہی نہیں برتنا چاہتا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ ناکامی کی صورت میں کیا خمیازہ بھگتنا پڑ سکتا تھا۔

☆

اندھیرے کی چادر آہستہ آہستہ پھیلتی جا رہی تھی اور سیاہی گہری بھی ہو رہی تھی۔ عمارت انرجی سیورز کی روشنی میں نہائی ہوئی تھی۔ لوگوں کی گہما گہمی جیسے چھٹ رہی تھی۔ عمارت کے برآمدے اور لان میں پڑے بنچ حسرت سے آنے جانے والوں کو دیکھ رہے تھے۔ عمارت کے احاطے سے باہر کا شور شرابہ جوں کا توں تھا جیسے دن کا اجالا ہی ہو۔

پولیس اسٹیشن کے احاطے میں ایک ٹیکسی ڈرائیور بے چینی سے گھوم رہا تھا۔ چہرے سے وہ کوئی شریف انسان ہی نظر آتا تھا جس کے جسم پہ خاکی رنگ کی ڈرائیوروں والی وردی تھی۔ وردی پہ چار سے چھ جیبیں تھیں جن میں کرنسی وغیرہ بھری ہوئی تھی۔ ڈھیلی ڈھالی وردی اور بھاری جیبیں مضحکہ خیز منظر پیش کر رہی تھیں، اس کے باوجود اسے دیکھ کر ہنسی نہیں آتی تھی کیونکہ پریشانی کے پنجے جیسے اس کے چہرے میں گڑنے کے لئے ہی بنائے گئے تھے۔ وہ بار بار مٹھیاں بھنچتا اور سامنے تھوڑے سے فاصلے پہ موجود دفتر کو دیکھتا۔

اس نے کئی دفعہ کوشش کی کہ اس کی ملاقات کسی بڑے افسر سے کرا دی جائے مگر ظاہری سی بات تھی کہ اس کی اوقات ہی اس بات کی متحمل نہ ہو سکتی تھی کہ وہ کسی افسر سے مل سکتا۔ وہ بھی کسی حسین لڑکی کی طرح یہ نخرہ پالے بیٹھا تھا کہ وہ اپنا مسئلہ اگر کسی کو بتائے گا تو وہ بڑے افسر کو ہی۔۔ اس کے علاوہ وہ کسی کو کچھ نہیں بتائے گا۔۔۔ نتیجے کے طور پہ ہر سپاہی، جس کے کندھے پہ چاہے ستارے نہیں لٹکائے گئے تھے، وہ تھا تو افسر ہی، انہوں نے بھی ساس کی طرح منہ پھیر لیا۔

کچھ دیر کے بعد دفتر سے جب صاحب اپنی درمیانے سائز کی توند پہ پینٹ کو کھینچ کر اوپر ہی روکنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے نمودار ہوئے تو ٹیکسی ڈرائیور نے اس کی طرف دوڑ لگائی۔ اسے دوڑتا دیکھ کر پیچھے موجود سپاہیوں نے 'اوئے۔۔۔ اوئے۔۔۔ اوئے رک' ۔۔ کی آوازیں نکلیں، صاحب نے آوازوں کی طرف دھیان دیا تو سامنے ایک شخص دوڑتا نظر آیا۔۔ صاحب کی پہلی نظر ہی اس کی ڈھیلی ڈھالی جیکٹ پہ پڑی جو کرنسی کے نوٹوں اور سکوں کے وزن سے جھول رہی تھی۔۔۔ صاحب کے چہرے کی تو رنگت ہی بدل۔۔ صاحب نے پینٹ کو چھوڑا۔۔ U ٹرن مارا اور تیزی سے واپس دوڑ لگائی ۔۔ یکدم پوری قوت سے دوڑنے کی وجہ سے افسر صاحب کی جوتی پھسلی، ایک ٹانگ پیچھے کو نکلی۔۔ ایسے نظر آیا جیسے اس کی پچھلی ٹانگ ضرورت سے زیادہ ہی لمبی ہو گئی ہو۔۔ پل بھر کے لئے وہ ایسا ڈولا جیسے کسی بھاری بھرکم ٹرک کا اگلا ٹائر پنکچر ہو گیا ہو۔۔ اور ڈرائیور کا اس پہ کنٹرول ختم ہو گیا ہو۔ صاحب لہرا کر منہ کے بل زمین پہ گرا۔۔ اس کے سر پہ موجود کیپ اڑتی ہوئی برآمدہ سے باہر کچی جگہ پہ جا گری۔

کسی ناخلف نے شاید فرش کو زیادہ ہی ایمانداری سے رگڑ کر صاف کر دیا تھا جس وجہ سے یہ منظر تھانے کی تاریخ کے پنوں کی زینت بننے والا تھا۔

"صاحب۔۔۔ صاحب۔۔۔" ٹیکسی ڈرائیور نے سر پہ پہنچتے ہوئے افسر کے بازو تھام کر اٹھانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"دور ہٹو۔۔۔ اوئے پکڑو اس دہشت گرد کو۔۔۔" افسر چیخا۔ وہ کھڑا ہو چکا تھا۔ غنیمت تھا کہ گرتے ہوئے اس نے ہاتھ سامنے کر لئے جس سے اس کی دندان مبارک فرش چومنے سے بچ گئے۔ اتنی دیر میں دو تین سپاہی بھی وہاں پہنچ چکے تھے جبکہ ایک جوان دوڑ کر اس کی کیپ اٹھالایا تھا۔

دوسری طرف، دہشت گرد کا لفظ سن کر ٹیکسی ڈرائیور جھٹکا کھا کر پیچھے ہٹا۔۔۔ اس کا رنگ فق ہو گیا، چند لمحوں کے لئے تو جیسے وہ سُن ہو گیا۔ دہشت گردی کا لیبل اس ملک میں قتل سے بھی بڑا جرم تھا جس میں سے نکل پانا ناممکن تھا۔

"سرکار۔۔۔ مم۔۔ مم۔۔ میں تو ڈرائیور ہوں۔۔۔ آپ کو ایک خبر دینی تھی۔۔ مجھے آپ سے ملنے کی اجازت نہیں مل رہی تھی۔" اس نے سہمے ہوئے اور ہلکے سے احتجاجی لہجے میں جواب دیا۔

"الو۔۔۔ بلکہ الو کے پٹھے۔۔ اس طرح بھاگتے ہیں؟ کونسی قیامت آگئی تھی؟" افسر صاحب اس کا جواب سن کر اسی پہ چڑھ دوڑے۔

"صاحب۔۔۔ میری کیا مجال۔۔۔ آپ تو مائی باپ ہیں۔۔" ڈرائیور نے غیر محسوس انداز میں صاحب کی گالی اسے ہی لوٹا دی۔

"اوئے سکندرے۔۔۔ اندر ڈال اسے الو کی دم کو۔۔ اور آج یہ فرش کس نے چکنا کر دیا ہے؟" وہ سکندرے پہ بھڑکا۔

"صاحب۔۔۔ میں آج ہی فیضو کو منع کرتا ہوں کہ فرش کو اتنا مت رگڑا کر۔ معاف کر دیجئیے اس نکمے کو۔۔" سکندرے نے مسکینی صورت بناتے ہوئے خوشامدی زبان استعمال کی۔

"بلکل۔۔۔ اگر فرش ایسا ہوا تو اس کی تنخواہ کاٹ لینا۔۔۔ اور یہ کیا؟ ابھی تک یہ الو کا چرغا یہیں کھڑا ہے۔۔۔ اندر ڈالو اسے۔" افسر نے سر ہلا کر کہا اور پھر وہ ڈرائیور کو دیکھ کر چونک گیا۔

"صاحب۔۔۔ گریب آدمی ہوں۔۔۔ مجھے تو لگا کہ آپ کے کام کی خبر ہے۔ بہت بڑی خبر ہے۔۔" ڈرائیور جیسے رو دیا۔

"کیا خبر ہے؟" افسر کو شاید اس کی شکل پہ ترس آ گیا۔۔

"آپ کا نام گلریز ہی ہے نا؟" ڈرائیور نے پوچھا۔

"تم میرا نام پوچھنے آئے ہو؟" افسر کا پارہ پھر سے چڑھا۔

"وہ۔۔ وہ میری ٹیکسی میں ایک شخص بیٹھا تھا کچھ دیر پہلے، وہ آپ کو مارنے کا منصوبہ بنا رہا تھا۔" اس نے فوری جواب دیا۔

"تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا؟" سکندر رے نے سخت لہجے میں کہا۔

جبکہ افسر، جو کہ گلریز تھا چونک اٹھا۔

"میں سچ کہہ رہا ہوں۔۔ وہ صاحب کے خلاف بھی بات کر رہا تھا اور کس جی ایف۔۔۔ یا پتہ نہیں کیا تھا۔۔ اس کے بارے میں بھی۔"

"وہ اتنا بچہ تھا کہ یہ جانتے ہوئے بھی کہ تم اس کی باتیں سن رہے ہو۔۔ وہ یہ سب پلان بناتا رہا۔" گلریز نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"صاحب۔۔ وہ انگلش میں بات کر رہا تھا۔۔۔ میں تھوڑی بہت انگلش جانتا ہوں۔ وہ اسی لئے کھل کر بات کر رہا تھا۔۔ اسے لگا ہو گا کہ مجھے

انگلش نہیں آتی۔۔ اور یہ بات ہے بھی سچ۔۔ ٹیکسی ڈرائیور کے لئے یہ ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔۔ انگلش تو یونیورسٹی پاس لوگوں کے حلق سے نہ اترتی ہے نہ نکلتی ہے۔" ڈرائیور بولنے پہ آیا تو نان سٹاپ بولتا ہی گیا۔ وہ بہت ہی باتونی واقع ہوا تھا۔

"اندر آؤ۔۔" گلریز نے واپس مڑتے ہوئے کہا۔ اسے ڈرائیور میں دلچسپی پیدا ہوئی مگر اس بار وہ بہت محتاط انداز سے چل رہا تھا جیسے دوبارہ گرنے کا خدشہ ہو۔

"اب بولو۔۔ پوری تفصیل بتاؤ۔۔ اگر میرا وقت برباد کیا تو کھال کھینچ لوں گا۔" وہ اندر داخل ہوتے ہوئے غرایا۔

"مم۔۔ میں ساری بات بتاتا ہوں۔ وہ بڑی بڑی مونچھوں والا شخص تھا جس کی آنکھوں پہ سیاہ چشمہ تھا۔ سمارٹ سا تھا۔ وہ رائل ٹاؤن سے ٹیکسی بھی بیٹھا تھا۔ ٹیکسی میں بیٹھتے ہی اس نے کسی کو کال کی۔ وہ کسی کیس کے بارے میں بات کر رہا تھا اور یہ بھی کہہ رہا تھا کہ کچھ زخمیوں کو خطرہ ہے اس لئے انہیں ہسپتال سے ایک رہائش گاہ پہ شفٹ کر دیا ہے اور اب وہیں جا رہا ہے۔ وہ جس سے بات کر رہا تھا اسے حکم دے رہا تھا کہ جیسے ہی آپ گھر کے لئے روانہ ہوں وہ اسے خبر دے تاکہ آپ کا

کام تمام کر دیا جائے۔ پھر جہاں پہ وہ اترا، اس کوٹھی کے سامنے میں نے بڑی بڑی ویگنیں دیکھیں، جن میں شاید وہ زخمی ہی ہوں گے۔" ڈرائیور نے تیزی لہجے میں رپورٹ دیتے ہوئے کہا۔

رپورٹ سن کر گلریز کی آنکھوں میں چمک ابھری۔ قدرت اس پہ مہربان تھی جو یوں اچانک وہ ڈرائیور ابرِ رحمت کی طرح وہاں پہنچا۔ گلریز سمجھ گیا کہ وہ کن زخمیوں کے بارے میں بات کر رہا ہے، وہ یقیناً اس کے شکار کی ہی بات کر رہا تھا جن پہ رِیڈ کرنے کے لئے وہ نکل رہا تھا۔

"وہ تم کسی جی۔ ایف کی بھی بات کر رہے تھے۔۔۔ وہ کیا تھا؟" گلریز کو اچانک یاد آیا۔ وہ اپنی سیٹ پہ بیٹھ چکا تھا۔

"اس نے ایسا ہی کوئی انگلش میں کہا تھا کہ اس سے بھی جلدی ملاقات کرنی ہے۔ مگر کیونکہ میرے ذہن میں آپ کے قتل کی بات اٹکی ہوئی تھی تو میں نے زیادہ غور نہیں کیا اس بات پہ۔۔" اس نے مایوسی بھرے لہجے میں کہا۔

"تم مجھے کیسے جانتے ہو؟" گلریز نے اچانک پوچھا۔

"آپ کو کون نہیں جانتا۔۔۔ آپ تو شہر کی مشہور ہستی ہیں صاحب۔" اس نے سادگی سے کہا تو گلریز کا سینہ فخر سے چوڑا اور پیٹ کٹورا ہوا۔

"تم نے کب اس شخص کو ڈراپ کیا تھا؟" گلریز نے پوچھا۔

"اسے حاجی ٹاؤن میں ڈراپ کرتے ہی میں یہاں چلا آیا۔۔"

"تم میرے ساتھ وہاں تک چلو جہاں اس شخص کو اتارا تھا۔۔" گلریز نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"مم۔۔۔ مگر۔۔۔ مم۔۔۔" ڈرائیور کا چہرہ یکدم خوف سے پیلا ہو گیا۔

"تمہیں کس بات کا ڈر؟ پولیس تمہارے ساتھ ہے۔" گلریز نے فخریہ لہجے میں کہا۔

"یہی تو ڈر ہے۔" ڈرائیور بڑبڑایا۔۔۔ گلریز تب تک دروازے تک پہنچ چکا تھا ورنہ اگر وہ یہ جملہ سن لیتا تو ڈرائیور کا جو حال ہوتا وہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔

برآمدے سے نکل کر سپاہی تیزی سے گاڑیوں میں سوار ہوتے گئے۔ سب نے بلٹ پروف جیکٹس پہن رکھی تھیں، سروں پہ ہیلمٹ تھے اور ہاتھوں میں لوڈڈ اسلحہ۔ سب کے بیٹھنے کے بعد گلریز نے ٹیکسی ڈرائیور کو اشارہ کیا تو وہ اپنی ٹیکسی میں اور گلریز اپنی مخصوص گاڑی میں بیٹھا۔ پھر قافلہ حرکت میں آ گیا۔

رِیڈ پارٹی کا ٹارگٹ بدل گیا۔ پہلے تو وہ ہسپتال کی طرف جا رہے تھے اب سب اس ٹیکسی کا پیچھا کر رہے تھے۔

☆

حاجی ٹاؤن۔۔۔ معلوم نہیں اس ٹاؤن کا نام حاجی ٹاؤن رکھا گیا تھا۔۔ آیا کہ پورا ٹاؤن ہی حاجیوں سے بھرا پڑا تھا۔۔ یا ٹاؤن از خود حاجی تھا۔ ٹاؤن روشنیوں سے سجا ہوا تھا۔ رنگ برنگے آنچل کھلی سڑکوں کی فٹ پاتھوں پہ مٹر گشت میں مصروف تھے جبکہ بڑے بڑے جنرل سٹورز گاہکوں کو للچانے کے سازو سامان سے لیس بانہیں پھیلائے سڑکوں کے کناروں پہ جمے ہوئے تھے۔ موسم خوشگوار ہونے کے باعث روڈ پہ لوگوں کی تعداد معمول سے زیادہ تھی جس سے بِکری کے مواقع بھی بڑھ گئے تھے۔

ماحول کی خوشگواریت میں اچانک پولیس کی گاڑیاں تیزی سے بڑھتی ہوئی سامنے آئیں تو اڑتے ہوئے آنچل سمٹ کر چہرے پہ اور ہونٹوں میں دب گئے۔۔ اس ٹاؤن میں پولیس کی آمدورفت نہ ہونے کے برابر تھی مگر آج۔۔۔ جس رفتار اور تعداد میں گاڑیاں گزر رہی تھیں۔۔ اس سے ہر کوئی پریشان سا ہو گیا تھا۔

گاڑیاں اڑتی ہوئی ٹاؤن کی کھلی سڑکوں سے گزرتی ہوئیں ایک چوک میں رکیں۔ گاڑیوں کے آگے ایک ٹیکسی تھی جس کے رکنے پہ سب گاڑیاں رکی تھیں۔ ٹیکسی کا دروازہ کھلا اور ڈرائیور باہر نکل کر اپنے پیچھے آنے والی گاڑی کی طرف دوڑا۔

"وہ سامنے والی کوٹھی ہے۔" اس نے تھوڑے فاصلے پہ موجود اندھیرے میں نہائی ایک عمارت کی طرف اشارہ کیا۔

"وہ تو خالی لگتی ہے۔" گلریز نے مشکوک لہجے میں کہا۔

"ہو سکتا ہے مجرم بتیاں بند کر کے ڈاج دے رہے ہوں۔" گلریز کے ڈرائیور نے سوچ میں ڈوبے ہوئے کہا تو ٹیکسی ڈرائیور نے تشکر بھری نظروں سے اسے دیکھا جیسے اپنی جان خلاصی پہ اس کا شکر گزار ہو۔

"اوکے۔۔ یہ بھی ہو سکتا ہے۔ سکندرے کو کہو کہ خاموشی سے اس کوٹھی کو گھیرے میں لے کر چاروں اطراف افراد اندر داخل ہوں۔۔ کوئی شور شرابہ نہیں۔ اندر جو کوئی بھی ہو اسے چپکے سے چھاپ لو۔" گلریز نے کہا تو اس کا ڈرائیور اتر کر پچھلی گاڑی کی طرف چل دیا۔

"صاحب۔۔ برا نہ منائیں تو آپ باہر ہی رک جائیں۔۔ بڑے افسروں کا چھوٹے سپاہیوں کے ساتھ یوں جانا آپ کو نہیں جچتا۔۔" ڈرائیور نے خوشامدی لہجے میں کہا اس سے پہلے کہ گلریز کوئی جواب دیتا۔۔ اس کا ڈرائیور واپس آگیا۔

"آپ بھی ساتھ چلیں گے؟" اس نے پوچھا۔

"میں گیٹ کے سامنے موجود رہوں گا۔۔ اندر سے اگر کوئی بھاگے یا کوئی گڑبڑ ہوئی تو سنبھال لوں گا۔" اس نے تحکمانہ لہجے میں کہا تو ڈرائیور نے گاڑی سٹارٹ

کرکے آگے بڑھائی۔

ٹیکسی اس دفعہ بھی آگے آگے ہی تھی۔۔ اس بار تمام گاڑیوں کی رفتار بہت دھیمی

اور تمام روشنیاں بند تھیں۔ مطلوبہ رہائش گاہ کے گیٹ کے سامنے گلریز کی گاڑی رکی۔۔ باقی گاڑیاں ادھر ادھر روک کر تمام اہلکار کوٹھی کے گرد پھیل گئے۔ ٹیکسی کا ڈرائیور گلریز کی گاڑی کے پاس آکر کھڑا ہو گیا تھا۔

"کک۔۔ کیا میں اندر بیٹھ جاؤں۔۔ مم۔۔ مجھے باہر ڈر لگ رہا ہے۔" اس نے ہکلاتے ہوئے پوچھا تو گلریز کی ہنسی چھوٹ گئی۔

" آ جاؤ۔۔ بیچارہ۔۔ ڈرائیونگ سیٹ پہ آ جاؤ۔۔ مجرموں کا پیچھا کریں گے۔" اس نے ہنستے ہوئے کہا

"مم۔۔۔ مجرم۔۔ پپ۔۔ پپ۔۔ پیچھا۔۔۔" ڈرائیور مارے خوف کے دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔

" مذاق کر رہا تھا۔۔ آ جاؤ اندر۔" گلریز نے سنجیدہ لہجے میں کہا تو ڈرائیور کے بھاری سانس کی آواز ابھری۔۔ وہ تیزی سے ڈرائیونگ سیٹ پہ پہنچا جیسے اس کے پیچھے خطرناک مجرم ہوں۔

"تمہاری وجہ سے آج شہر کے سب سے خطرناک مجرم پکڑے جائیں گے۔۔ تمہیں اس کا خصوصی انعام ملے گا۔" گلریز نے کہا۔

"شش۔۔ شکریہ صاحب۔۔ یہ تو میرا فرض تھا۔" اس نے جواب دیا۔

یہ تھی بھی حقیقت۔۔ اگر وہ ڈرائیور گلریز سے نہ ٹکراتا تو وہ تو ہسپتال رِیڈ مارتا اور مجرم وہاں سے نکل چکے ہوتے۔۔ پھر ان مجرموں کو ڈھونڈنا اس کے لئے بہت مشکل ہو جاتا۔ یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ وہ ڈرائیور اس تک پہنچ گیا۔ اس آسان شکار کے بدلے وہ پہلے ہی گولڈ مین سے مستقل اضافی حصہ منوا چکا تھا، وہ تصور میں اس اضافی حصے کی رقم سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔

موبائل فون کی وائبریشن سن کر وہ چونک گیا۔ ڈیش بورڈ پہ پڑا فون اٹھا کر دیکھا تو اس کے چہرے پہ مسکراہٹ ابھری۔

"شکار پورا ہوا۔" وہ بڑبڑایا اور کال اٹنڈ کی۔

"ہاں سکندرے۔۔۔"

"صاحب۔۔ یہ عمارت تو خالی ہے۔۔ لگتا ہے صدیوں سے یہاں کوئی نہیں آیا۔" سکندرے کی مایوسی بھری آواز سنائی دی۔

"کیا بکواس کر رہے ہو؟ خالی کیسے ہو سکتی ہے؟ تم نے ٹھیک سے چیک کیا؟" وہ حلق کے بل چیخا، اس کی آواز سن کر ساتھ بیٹھا ڈرائیور سہم اور سمٹ گیا۔

"جی صاحب۔۔ سب چیک کیا ہے۔۔" سکندرے کی گھبرائی ہوئی آواز

سنائی دی۔

"صاحب۔۔ آج کل بڑی کوٹھیوں کے نیچے تہ خانے بھی ہوتے ہیں۔"

ساتھ بیٹھے ڈرائیور نے ڈرتے ڈرتے لقمہ دیا۔

"تہ خانے چیک کیئے؟" گلریز نے فوری پوچھا۔

"تہ خانے۔۔۔ نہیں باس۔۔۔ اس پوائنٹ پہ تو ہم نے سوچا ہی نہیں۔" سکندر کی حیرت بھری آواز سنائی دی۔

"گھامڑ کہیں کے۔۔ پہلے تہ خانے تلاش کرو۔۔ ہو سکتا ہے وہ لوگ تہ خانے میں ہوں۔" اس نے غرا کر کہا اور کال بند کر دی۔

"جاہل ہیں سب کے سب۔۔۔ نکمے۔۔ خون جلا دیا۔" وہ بڑبڑایا۔

"تم بہت ذہین ہو۔۔۔۔۔۔" اس نے یکلخت ساتھ بیٹھے ڈرائیور سے کہا۔

"ہونا پڑتا ہے۔۔ جب ملک کو جراثیموں سے پاک کرنا ہو تو صرف صابن سے کام نہیں چلتا۔" ڈرائیور کی بدلی ہوئی آواز سنائی دی تو

گلریز چونک کر اس کی طرف مڑا۔

"کیا کہا تم نے؟" اس نے حیرت بھرے لہجے میں پوچھا۔

"بتاتا ہوں۔۔" وہ غرایا۔۔ اس کی غراہٹ سن کر گلریز جیسے برف کی طرف جم سا گیا۔۔۔ اچانک اس کا سر کسی نے تھاما اور پوری قوت سے سامنے ڈیش بورڈ پہ دے مارا۔۔ اس کے منہ سے چیخ ابھری۔۔ اسے یوں لگا جیسے اس کا سر پھٹ گیا ہو۔۔ پھر دوبارہ اس کا سر ڈیش بورڈ سے ٹکرایا اور وہ چیخ مار کر بے ہوش ہو گیا۔

ڈرائیور گاڑی سے اترا اور سرعت کے ساتھ تمام گاڑیوں کے ایک ایک ٹائر کی ہوا نکال کر وہ واپس گلریز والی گاڑی میں پہنچا۔

"آج کے دن ہم پولیس والے۔۔۔" اس کی مسکراتی ہوئی آواز سنائی دی اور گاڑی سٹارٹ ہو کر دھیمی رفتار سے آگے بڑھ گئی۔

☆

شہر سے باہر ایک فارم ہاؤس کی چار دیواری حاشیے کی طرح نظر آرہی تھی کیونکہ گہرے اندھیرے میں عمارت کے خدوخال واضع نہ تھے۔ ہر طرف ہو کا عالم تھا، اس ماحول میں کبھی کبھار مینڈک کے ٹرانے کی آواز سنائی دیتی اور کبھی کبھی کسی کتے کی زبان پھسل جاتی اور ماحول میں اس کی آواز دور تک گونجتی جاتی۔ کتے کو جب کہیں سے بھی بَیک کال نہ ملتی تو مارے شرمندگی کے زبان دانتوں میں دبائے اور کان لپیٹے منہ کو پنجوں کے حصار میں قید کر کے پھر سے آنکھیں موند لیتا۔ اچانک کتا دوبارہ چونکا اور کھڑا ہو کر ایک طرف کو دیکھنے لگا۔۔ اس کے کان کھڑے ہو گئے اور دُم پنڈولم بن گئی۔ اچانک ہی اس نے گلا پھاڑنا شروع کر دیا۔ اسے گیت گاتے ہوئے ابھی کچھ ہی دیر ہوئی تھی کہ

اندھیرے کا حصہ بنے ایک ہیولہ ہچکولے کھاتا آگے بڑھتا آرہا تھا۔ کتا لگاتار اس کے استقبال میں باجا بجاتا رہا اور گاڑی بھی آگے بڑھتی رہی۔ کتے نے گاڑی کی آمد کو بہت پہلے ہی بھانپ لیا تھا جس وجہ سے وہ چوکس ہو گیا تھا۔ گاڑی کے انجن کی آواز آنا شروع ہو چکی تھی، اس کی اندرونی و بیرونی روشنیاں بند تھیں۔ کچھ ہی دیر میں گاڑی فارم ہاؤس کے سامنے پہنچ گئی۔ اس میں سے ایک سایہ اترا جس نے پچھلی سیٹ سے کسی کو کھینچ کر کندھے پہ ڈالا اور بھونکتے ہوئے کتے کو نظر انداز کرتے ہوئے فارم ہاؤس کے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ کتا اگر بندھا نہ ہوتا تو وہ اتنی آسانی سے دروازے تک نہ پہنچ پاتا۔ اس نے جیب سے چابی نکالی اور فارم ہاؤس کے دروازے میں نصب مخصوص جگہ میں ڈال کر گھمائی۔ درازہ کھول کر وہ اندر داخل ہوا اور اندر سے درووازے کو لاک لگا کر وہ عمارت کی طرف بڑھا۔ عمارت اندھیرے میں ڈوبی ہونے کے باوجود وہ یوں چل رہا تھا جیسے دن کے اجالے میں بندہ پر اعتمادی سے چلتا ہے۔ بڑے سے صحن کو عبور کر کے وہ برآمدے میں پہنچا اور ایک بار پھر سے تالا کھولنے کی کاروائی کے بعد وہ کمرے میں داخل ہوا۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی اس نے سائیڈ دیوار پہ ہاتھ مار کر بٹن دبایا اور کمرے

میں روشنی پھیلتی گئی۔ یہ وہی ٹیکسی ڈرائیور تھا جو گلریز کو اٹھالایا تھا۔ اس نے گلریز کو زمین پہ پٹخا اور دروازے کو باہر سے بند کر کہ برآمدے میں ایک طرف بڑھتا گیا۔ ایک اور کمرے کے سامنے پہنچ کر اس لاک کھولا اور کمرے میں داخل ہو کر بلب آن کر کے ایک طرف موجود الماری کی طرف بڑھا۔ الماری کے پٹ کھول کر وہ الماری میں داخل ہوا اور الماری کی پچھلی طرف ایک ہاتھ اور پاؤں لکڑی پہ رکھ کر دبانے لگا جیسے کوئی شخص دیوار کو دھکا لگا کر کھسکانے کا ارادہ رکھتا ہو۔ اچانک کٹک کی آواز سنائی دی اور وہ سیدھا ہو کر کھڑا ہو گیا۔ الماری کا پچھلا حصہ ایک طرف ہٹتا گیا۔ سامنے روشنی میں سیڑھیاں نیچے جاتی ہوئی نظر آئیں۔ وہ تیزی سے نیچے اترتا گیا۔ نیچے اتر کر وہ تہ خانے میں موجود کمرے میں داخل ہوا۔ سامنے تین سٹریچر لگے ہوئے تھے جن پہ تین نوجوان جیسے پرسکون نیند کے مزے لوٹ رہے تھے۔ دو کے جسم جھلسے ہوئے تھے مگر اس وقت وہ بھی سکون سے لیٹے ہوئے تھے۔ ٹیکسی ڈرائیور انہیں دیکھ کر اور سائیڈ ٹیبل پہ موجود ان کی حالت سے متعلق چارٹس پڑھ کر مسکراتا ہوا واپس مڑ گیا۔

واپس گلریز والے کمرے میں پہنچ کر اس نے گلریز کو اٹھا کر کرسی پہ باندھا اور پھر اس کے چہرے پہ تھپڑوں کی بارش کر دی۔ جلد ہی گلریز جھٹکا کھا کر چیخا تو وہ ڈرائیور واپس مڑ کر خالی کرسی پہ بیٹھ گیا۔ اس کی نظریں گلریز پہ ہی جمی ہوئی تھیں جو آنکھیں کھول چکا تھا اور بار بار سر جھٹک رہا تھا۔ چند لمحوں میں اس کی آنکھوں میں شعور کی چمک ابھری۔

"تم۔۔ دھوکے باز۔ میں تمہیں زندہ گاڑ دوں گا۔" وہ حلق کے بل چیخا۔ ڈرائیور اسے خاموشی سے دیکھے جا رہا تھا جیسے اس نے گلریز کی آواز سنی ہی نہ ہو۔

"تم کچھ بکتے کیوں نہیں؟؟" کچھ منٹ کی خاموشی کے بعد وہ دوبارہ چیخا۔۔ اسے وہ خاموشی کھائے جا رہی تھی۔

"میں سوچ رہا ہوں کہ کس طرح سے تم سے معلومات نکلواؤں۔" اس نے مسکرا کر جواب دیا۔

"تم ہو کون؟" وہ غرایا۔۔

"میرا نام فازر ہے ٹیکسی ڈرائیور ہوں۔" ڈرائیور نے مسکرا کر جواب دیا۔

"کون سی معلومات؟" گلریز نے چونک کر پوچھا۔

"وہی معلومات۔۔۔ جن کو بچانے کے لئے تم ہسپتال پہ رِیڈ کرنے والے تھے۔"

"ہسپتال پہ رِیڈ؟ تمہارا دماغ تو نہیں خراب؟ ہسپتال پہ کون ریڈ کرتا ہے؟" گلریز نے حیرت سے کہا۔۔۔ مگر اس کے دماغ میں چیونٹیاں رینگنا شروع ہو گئیں تھیں کہ سامنے موجود شخص کو رِیڈ کے بارے میں کیسے پتہ چلا۔۔۔ کیا کوئی اندر کا آدمی مجرموں سے ملا ہوا ہے؟ اس کے ذہن میں یہ خیال کھلبلی مچانے لگا۔۔۔

"جب میں تھانے پہنچا تو سپاہی ہسپتال پہ رِیڈ والے موضوع پہ بات کر رہے تھے، میرے لئے بات کی تہ تک پہنچنا آسان تھا۔۔۔ مجھے معلوم تھا کہ تم کن کے پیچھے جا رہے ہو۔۔۔ میں تمہاری جلدباز طبیعت سے بھی واقف تھا۔۔۔ لہٰذا میں نے ایک پلان بنایا۔۔۔ میں جانتا تھا کہ ہماری ایک ہی کمزوری ہے۔۔۔ ہسپتال میں موجود تینوں زخمی۔۔۔ سب سے پہلے میں نے انہیں اٹھوایا۔۔۔ انہیں پہلی بار واقعی حاجی ٹاؤن کی اسی کوٹھی میں لے جایا گیا جہاں سے تمہیں بے ہوش کر کے میں لایا ہوں۔ اسی عمارت کے عقبی دروازے سے میرے آدمی زخمیوں کو نئی گاڑیوں اور

نئے لوگوں کی نگرانی میں لے کر نکل گئے۔۔اب وہ زخمی تمہاری پہنچ سے بہت دور کہیں موجود ہیں۔انہیں کوٹھی سے شفٹ کرتے ہوئے ہی میرے ذہن میں پلان آیا۔۔میں جانتا تھا کہ اکبر اور راجو کے بارے میں تمہیں اطلاع مل جائے گی اور تم ہمیں ڈھونڈنے کے فراق میں ہو گے، سو میں ایک ڈرامہ رچ کر تمہارے پاس پہنچ گیا اور تمہیں جھانسا دے کر ایک ویران جگہ پہ فورس سمیت لے گیا۔۔وہاں میں نے تمہارے ذہن میں باہر ہی رکنے کا کیڑا اڈال دیا اور فورس کو تم سے الگ کیا۔پھر تمہیں بے ہوش کیا۔۔اس کے بعد تمہاری فورس کی گاڑیوں کی ہوا نکالی اور تمہاری ہوا نکالنے کے لئے شہر سے باہر لے آیا۔" اس نے مسکرا کر جواب دیا۔

گلریز حیرت بھرے انداز میں یہ طلسمی کہانی سُن رہا تھا، کہانی سنتے ہوئے اس کا منہ کھلا ہوا تھا جس میں سے زبان ایسے باہر کی طرف لٹکی ہوئی تھی جیسے ٹرک کی باڈی کھول کر اس سے تختہ لگا کر سامان اتار ا جا رہا ہو۔اسے فازر سے انجانا سا خوف محسوس ہونے لگا جو اسے بہت ہی آسانی سے اغواء کر لایا تھا۔

"تت۔۔تت۔۔۔تم کیا چاہتے ہو؟" وہ ہکلایا۔

"گولڈ مین کے سٹور رومز کے بارے میں معلومات۔" اس نے ٹھنڈے لہجے میں کہا تو گلریز کے چہرے پہ ایک رنگ سے گزر گیا۔

"گگ۔۔ کون گولڈ مین؟"

"کک۔۔ نہیں۔۔۔ گولڈ مین۔۔ میں اس کی اصلیت سے واقف ہو چکاہوں۔ مجھے بس ان سٹور رومز کا پتہ چاہیئے جہاں وہ اغواء شدہ افراد کو رکھتاہے۔" اس نے جواب دیا۔

"مجھے گولڈ مین کا ہی نہیں پتہ تو پھر سٹورز۔۔۔" گلریز نے جھلائے ہو ئے انداز میں کہا تو فازر یکدم اٹھا۔۔ اس کی آنکھوں میں سفاکی بھری چمک دیکھ کر گلریز کے اوسان خطا ہو گئے۔

"کک۔۔ کیا کرنے لگے ہو؟" وہ ہکلایا۔

"ایک تو یہ۔۔ کک۔۔ کک۔۔ تم بہت کرتے ہو۔۔ تم مرغی کی نسل سے ہو؟" اس نے کہا، اتنی دیر میں وہ گلریز کے سر پہ پہنچ چکا تھا۔

"مجھے کچھ نہیں پتہ۔۔۔۔۔" وہ منمنایا۔

"اوکے۔۔۔۔۔۔ پچھلا ریکارڈ چیک کرتے ہیں ہارڈ ڈرائیو میں۔" فازر نے کہا اور

اس نے گلریز کی انگلی پکڑ کر تیزی سے الٹی سمت موڑ دی۔۔ کٹک کی آواز کے ساتھ ہی گلریز کا دہانہ کھلا اور چیخیں سیلاب کی طرح رواں ہوئیں۔

"اِس پاس ورڈ سے ہی تمہارا دماغ اَن لاک ہو گا۔" فازر نے کہا اور دوسری انگلی بھی موڑ دی۔۔۔ وہ بڑے سکون سے ایک انگلی توڑتا اور پھر دوسری انگلی کو یوں ٹٹولتا جیسے کوئی پھل کو خریدنے سے پہلے ٹٹولتا ہے، اور پھر ایک جھٹکے سے وہ انگلی بھی توڑ کر اگلی انگلی۔۔۔

"رر۔۔۔ر۔۔۔رکو۔۔۔" گلریز تیسری انگلی ٹوٹنے پہ چیخا۔

"کک۔۔۔کک۔۔۔۔سے سیدھا۔۔رر۔۔رر۔۔۔ تم تو پیچھے کی طرف جا رہے ہو۔" اس نے مایوسی بھرے لہجے میں کہا جیسے استاد کو بچے کی نالائقی پہ افسوس ہو رہا ہو۔

"اس کے سٹور چار شہروں میں ہیں۔۔ اب وہ کسی نئی جگہ بھی سٹور کھولنا چاہتا ہے۔" گلریز نے اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے تیز لہجے میں جواب دیا۔

"پوری تفصیل بتاؤ۔۔" اس نے کہا اور ساتھ ہی چوتھی انگلی بھی توڑ دی۔

"الو کے پٹھے۔۔۔ جب سب کچھ بتا رہا ہوں تو کیوں انگلی توڑ دی۔۔۔ بدماغ سانڈ۔۔" وہ درد بھری چیخیں کو تھام کر لمحے بھر کے لئے بھڑکا اور فازر نے دوسری ہاتھ کی پہلی انگلی پکڑ کر موڑی۔

"رکو۔۔۔ پلیز۔۔۔ سوری۔۔۔ میں بتاتا ہوں۔۔" اس کی اکڑ یکدم موم ہوئی۔

"شروع ہو جاؤ۔" فازر نے اس بار غرا کر کہا تو گلریز ہانپتے ہوئے واقعی ٹیپ ریکارڈر کی طرح بجنے لگا۔

"ملک سے باہر کون کون سے خریدار ہیں تم لوگوں کے رابطے میں؟ کس کس ملک میں تم یہ دھندہ پھیلائے ہوئے ہو؟" اس نے پوچھا۔

جواب میں گلریز ایک بار پھر شروع ہو گیا۔

"تم اس کام میں کیسے پڑے؟" فازر نے پوچھا۔

"محکمے کی تنخواہ پہ گزارا نہیں ہوتا۔ میری مجبوری تھی، پھر میں اس کام سے نکل ہی نہیں پایا۔۔۔" گلریز نے جواب دیا۔

"اللہ کی طرف سے تمہارے لئے یہ نوکری چنی گئی کہ تم لوگوں کے محافظ بنو، تم تو دلال بن گئے۔۔ عملی ناشکرے۔۔ محکمے کی تنخواہ پہ گزارا نہیں ہو پا رہا تھا تو محکمے کو بدنام کرنے میں لگ گئے۔۔ ملک کو الگ بدنام

کیا ہوا ہے۔۔۔ تمہاری بھی بیٹی، بہن، بیوی ہو گی۔۔ یہ سب کرتے ہوئے تمہیں خدائی خوف تک محسوس نہیں ہوا؟ پیسے کے لالچ نے تمہارے دل و دماغ کو زنگ آلود کر دیا ہے۔۔ آج تمہارا زنگ میں اتار دوں گا۔" فازر غرایا تو گلریز کا جسم کانپ اٹھا۔۔۔ وہ اس کی سرد مہری تو دیکھ ہی چکا تھا۔۔

"مجھے معاف کر دو۔۔ پلیز۔۔۔" وہ منتوں پہ اتر آیا۔۔

"معافی مانگنے کے لئے تمہاری ساری عمر پڑی ہے۔۔ مانگ لینا سب سے معافی۔۔" فازر نے کہا تو گلریز کے چہرے پہ رونق ابھری کہ زندگی بچ گئی۔۔

اسی وقت بجلی کی سی تیزی سے فازر کا ہاتھ گھوما اور گلریز کی فلک شگاف چیخ نے کمرے کو جیسے ہلا دیا ہو۔۔۔ ایک انگلی نیزے کی طرح اکڑی ہوئی۔۔ اس کی آنکھ میں گھسی۔۔۔ اس سے پہلے کہ اس کی چیخ پایہ تکمیل کو پہنچتی۔۔ دوسری چیخ بلند ہوئی اور ساتھ ہی دوسری آنکھ کا ڈھیلا باہر آ گرا۔

☆

شہر کے وسط میں ایک بہت بڑی کوٹھی کے انتہائی خوبصورت

اور امپورٹڈ سامان سے مزین ڈرائنگ روم کے صوفہ پہ ایک ادھیڑ عمر

سنجیدہ انسان بیٹھا ٹی وی دیکھ رہا تھا جس پہ کوئی ٹاک شو چل رہا تھا۔ وہ شکل سے بہت تجربہ کار انسان لگتا تھا، اس کے چہرے پہ بلا کی معصومیت تھی۔ یہ ایوب بختاور تھا، روشن گڑھ کی ایک اہم سیاسی شخصیت۔ ایوب بختاور وراثتی سیاستدان ہونے کے ساتھ ساتھ مخیر حضرات میں سے بھی ایک تھا۔ لوگوں میں اس کا بہت نام تھا۔ اور وہ بھی تن، من، دھن سے علاقے کی خدمت کرتا تھا۔ اس وقت وہ بہت انہماک سے ٹی وی دیکھ رہا تھا جب اس کے سیکرٹری نے کان میں آکر کچھ کہا تو وہ چونک گیا پھر وہ اٹھا اور ٹی وی بند کر کے گھر کی عمارت سے الگ بنے ڈرائنگ روم میں پہنچا جہاں پہ ملاقاتی حضرات سے وہ ان کے مسائل سننے کے لئے ملا کرتا تھا۔

اس وقت ڈرائنگ روم میں شہر کا پولیس انسپکٹر، شہر کے سب سے بڑے پولیس افسر اور ایک وجیہہ نوجوان کے ساتھ موجود تھا ایوب بختاور کے داخل ہوتے ہی پولیس افسران نے اٹھ کر مصافحہ کیا لیکن وہ نوجوان، جو کہ موبائل پہ کوئی گیم کھیل رہا تھا۔ موبائل گیم ہی کھیلتا رہا۔ ایوب نے ناگواری سے اس کی طرف دکھا لیکن وہ تو جیسے وہاں تھا ہی نہیں۔

"جی ظفر صاحب فرمایئے؟" اس نے بڑے افسر سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔

"سوری سر۔۔۔ آپ کو یوں اچانک تکلیف دی۔۔" ظفر معذرت بھرے انداز میں بولا۔

"کوئی بات نہیں۔ ہم تو ہیں ہی عوام کی خدمت کے لئے۔" ایوب نے مسکرایا۔

"ہمیں ایک جانور کی کھال اتروانی ہے۔" اس نوجوان نے یکدم کہا۔

"کیا۔۔ کیا کہا تم نے؟۔۔" ایوب چونکا، جبکہ ظفر اور انسپکٹر بھی حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگے۔ وہ ابھی بھی گیم ہی کھیل رہا تھا۔

"آپ کا کھالیں اتارنے کا کاروبار ہے۔ تو ہم بھی اسی سلسلے میں حاضر ہوئے ہیں۔" اس نے دھیان موبائل پہ ہی رکھتے ہوئے کہا۔

"کیا بکواس ہے۔۔ تم پاگل تو نہیں ہو۔۔ ظفر صاحب یہ کسے اٹھا لائے ہیں آپ ساتھ؟" ایوب نے غصے سے ظفر سے کہا۔

"اٹھا کر وہ نہیں لائے۔ گاڑی میں آئے ہیں ہم۔ کچھ تو عقل سے کام لیا کریں۔ لگتا کھالوں کی بدبو سر چڑھ گئی ہے۔" نوجوان نے لاپرواہی سے کہا۔

"میں۔۔میں تمہاری کھال ادھیڑ دوں گا۔" ایوب نے عقل استعمال کرنے کی بات پہ بپھرتے ہوئے کہا۔

"واہ۔۔یہی تو میں کہہ رہاہوں۔ ایک کھال کے کتنے پیسے وصول کرتے ہیں آپ؟"اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ظفر صاحب اسے لے جائیں ورنہ یہ مرے گا میرے ہاتھوں۔ اسے معلوم نہیں یہ کس سے مخاطب ہے۔"ایوب نے چیختے ہوئے کہا۔

"مجھے معلوم ہے۔ میں لوگوں کی عزتوں اور زندگیوں سے کھیلنے والے کیڑے سے مخاطب ہوں جو ملک اور قوم کی بھلائی کی قسم کھا کر انہی کو نوچتے ہیں۔ مردار خور۔۔"نوجوان یکدم غرایا۔

"یہ۔۔یہ کیا بکواس کر رہا ہے۔ آپ بیٹھے سن رہے ہیں؟" ایوب نے ظفر سے مخاطب ہوئے کہا۔

"ہمیں آپ کے گھر کی تلاشی لینی ہے۔۔ آپ جیسے باعزت شخص سے میں معذرت خواہ ہوں۔ لیکن ہمارے پاس آڈرز ہیں۔" ظفر نے سنجیدگی سے کہا۔

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔۔ تم میرے گھر کی تلاشی لو گے۔" ایوب ظفر پہ چڑھ دوڑا۔

"آپ جیسے شخص کو ایسے الفاظ زیب نہیں دیتے۔ پلیز تعاون کریں۔ آڈرز بہت سخت اور ہائی کمان سے ہیں۔ انکار کر کے آپ مصیبت میں پھنس جائیں گے۔" ظفر نے کہا۔

"تم جیسے دو ٹکے کے لوگ میرے گھر کی تلاشی لیں گے۔ میں تمہیں اسی گھر میں گاڑ دوں گا۔" ایوب نے چیخ کر کہا اور ساتھ ہی اس نے اشارہ کیا۔

ظفر کے ساتھ بیٹھا انسپکٹر یکلخت اچھل کر کھڑا ہوا اور ہولسٹر سے پسٹل نکالا۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ گولی چلا پاتا وہ نوجوان جو گیم میں مگن تھا، اپنی جگہ سے اچھلا اور اس کے دونوں پاؤں انسپکٹر کے سینے پہ لگے، وہ اچھل کر پیچھے دیوار سے لگا اور پھر نیچے گرا۔ گرتے ہی وہ جھٹکا کھا کر ساکت ہو گیا۔۔ اس کے منہ سے خون جاری ہو گیا تھا۔۔ یہ سب چند لمحوں میں وقوع پذیر ہوا تھا۔ ظفر نے حیرت سے نوجوان کی طرف دیکھا جو اِس انہاک سے گیم کھیل رہا تھا جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ ظفر نے اٹھ کر انسپکٹر کو چیک کرنا شروع کیا۔

"انسپکٹر مر چکا ہے۔" نوجوان کی مطمئن آواز سنائی دی۔

ظفر نے چیک کیا تو وہ واقعی مر چکا تھا۔

"انسپکٹر، اس کا پارٹنر تھا۔ " اس نوجوان نے ایوب کی طرف اشارہ کر کے کہا جو کہ ہونق بنا کبھی اس نوجوان کو دیکھتا اور کبھی مردہ انسپکٹر کو۔

"تمہارے پاس کیا ثبوت ہے اس بات کا؟" ظفر نے تلخ لہجے میں کہا۔

"اپنا لہجہ سنبھال کر رکھئے۔ پہلے اپنی ڈیوٹی پوری کریں پھر اس پہ بات کریں گے۔" اُس نوجوان نے پہلی بار گیم سے نظریں ہٹا کر انتہائی سرد لہجے میں کہا۔

ظفر تو اس بات پہ آنکھیں چرانے لگا جبکہ ایوب سکتے میں آگیا تھا۔ نوجوان نے جس لہجے میں پولیس افسر کو ڈانٹا تھا اور ظفر نے بھی گردن جھکا لی تھی وہ ایوب کے ہوش اڑانے کے لئے کافی تھا۔ اسے اس نوجوان کی سمجھ نہیں آرہی تھی۔ نہ تو وہ کوئی افسر لگتا تھا نہ ہی کوئی اہم شخصیت۔ لیکن وہ بار بار مختلف انداز اپنا رہا تھا۔ ایوب پہ اس نوجوان کی ہیبت طاری ہو رہی تھی جس نے ایک سرکاری افسر کے سامنے اسی کے جونیئر کو، چند سیکنڈز میں موت کے گھاٹ اتار دیا تھا اور افسر کو جھاڑ کر خود گیم میں مگن تھا۔۔۔

"اس کھال اتارنے والے۔۔ سوری۔۔ ایوب کو ساتھ لیں۔ چلیں تلاشی لیتے ہیں۔ فورس کو اندر بلائیں۔" اس نوجوان نے موبائل جیب

میں رکھتے ہوئے کہا اور ظفر نے سر ہلاتے ہوئے فون نکالا۔ وہ فورس کو اندر بلا رہا تھا۔

"اور تم۔۔ تم نے کوئی فضول بات یا حرکت کی تو اگلا سانس نہیں لے پاؤ گے۔" نوجوان نے ایوب کی طرف دیکھ کر غرا کر کہا۔ ایوب کے جسم سر دلہر دوڑ گئی۔ وہ دیکھ چکا تھا کہ ظفر ایسے چپ چاپ نوجوان کی کمانڈ پہ عمل کر رہا تھا جیسے ظفر ملازم اور وہ نوجوان افسر ہو۔۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ یہ نوجوان کسی خاص رتبے کا حامل ہے۔

فورس کے اندر آنے پہ وہ سب رہائشی عمارت میں پہنچے اور تلاشی لینا شروع ہو گئے۔ کافی دیر تفصیلی تلاشی لینے کے بعد سب نے آل کلئیر کی رپورٹ دی۔ اس رپورٹ پہ ایوب کا چہرہ طنزیہ مسکراہٹ سے سجا ہوا تھا۔ ظفر کا چہرہ اتر چکا تھا۔ اس اپنی نوکری خطرے میں محسوس ہو رہی تھی۔ جبکہ وہ نوجوان کھڑکی سے باہر کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کے انداز میں پریشانی یا بے چینی نہ تھی۔ وہ بڑے سکون سے جیسے نظارے لے رہا تھا۔

" یہاں تو کچھ نہیں ہے۔" ظفر نے اُس نوجوان سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔

"تم لوگ ڈھونڈ کیا رہے ہو؟" ایوب نے مسکرا کر پوچھا۔

"ظفر صاحب سب کچھ یہیں ہے۔ آپ آئیں میرے ساتھ۔" نوجوان نے ایوب کی بات نظر انداز کی اور مسکرا کر بولا۔ وہ مڑا اور سب آگے پیچھے چلتے پھر سے ملاقاتی عمارت میں پہنچے۔ اُس نوجوان نے وہاں خود تفصیلی جائزہ لیا۔

"یہاں بھی کچھ نہیں۔" اُس نے مایوسی سے کہا۔

"اب تم لوگ نہیں بچو گے۔ تم لوگوں نے میری بے عزتی کی ہے۔" ایوب نے غصیلے انداز میں کہا۔ نوجوان کی بات سن کر ایوب کے چہرے پہ رونق آگئی تھی۔

"تمہارا مطلب ہے کہ سب کچھ یہاں ہی ہے۔" نوجوان نے مسکرا کر کہا۔ اور ساتھ ہی اس نے اہلکاروں کو صوفے ہٹانے کا کہا۔

صوفے ہٹتے ہی وہ فرش کو ٹھوک بجا کر چیک کرنے لگا، تھوڑی ہی دیر میں اسے تہ خانے کا دروازہ مل چکا تھا۔

جب وہ نوجوان رہائشی عمارت کی کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا تو اتفاقاً اس کی نظر ملاقاتی عمارت پہ ٹکی تو وہ شک کی بنا پر وہاں پہنچ گیا۔ ملاقاتی عمارت میں اُس کی نظر تلاشی کے دوران ایوب کے چہرے کے تاثرات

کو چیک کرتی رہی تھی۔ ایوب کے تاثرات نے ہی تہ خانے کا بھانڈا پھوڑا تھا۔

دروازہ ملتے ہی ایوب نے وہاں سے پھسلنے کی کوشش کی تو اس کی کنپٹی پہ نوجوان کی ضرب لگی اور وہ بے ہوش ہو کر گر گیا۔ اس نے اہلکاروں سے اسے باندھنے کا کہا اور خود ظفر کے ساتھ نیچے تہ خانے میں اترنے لگا۔ سیڑھیاں اتر کر وہ نیچے موجود انتہائی جدید انداز کے تہ خانے میں پہنچے۔ تہ خانہ ایک مکمل رہائش گاہ کی طرح تھا۔ اُس نوجوان اور ظفر نے مل کر اس کی تفصیلی تلاشی لی۔ اور وہاں سے ملنے والی مختلف چیزوں میں سے کام کی چیزیں انہوں نے ایک کپڑے میں گٹھڑی کی صورت میں باندھ لیں۔ تلاشی لیتے لیتے وہ نوجوان چونک گیا۔

"کیا ہوا؟" ظفر نے پوچھا۔

"اس کے نیچے بھی تہ خانہ ہے۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔

"یہ کیسے ممکن ہے؟" ظفر نے حیرت سے کہا۔

"ممکن ہے۔ میں ایسے پائپ دیکھے ہیں جو زمین کے اندر ہوا لے جانے کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔" اس نے کہا۔

"ویری سٹرینج۔۔" ظفر نے کہا۔

"آپ جتنی ہو سکے لیڈی پولیس آفیسرز کو بلائیں۔ میڈیا کو اس چھاپے کی خبر نہیں ملنی چاہیئے۔ ایوب کے گھر والوں کو پیچھے کے کسی کمرے میں بند کر دیں سامنے کوئی شخص نہیں ہونا چاہیئے۔ اور مرد اہلکاروں کو کوٹھی کے باہر تعینات کر دیں۔" نوجوان نے تیزی سے کہا۔

"میں سمجھا نہیں۔۔ یہ سب کس لئے؟" ظفر نے الجھے ہوئے انداز میں کہا۔

"آپ ہدایات پہ عمل کریں پلیز۔ آپ کو سب کچھ بعد میں معلوم ہو جائے گا، یہ بہت سے لوگوں کی عزت کا سوال ہے۔" اس نے اسی انداز میں جواب دیا۔

"اوکے۔۔ میں انتظامات کرتا ہوں۔" ظفر کو سمجھ تو نہ آئی لیکن وہ بات مان کر

تیزی سے باہر کی طرف دوڑا۔ نوجوان نے تہ خانے کا دروازہ تلاش کرنا شروع کیا اور تھوڑی سی کوشش کی بعد اسے دروازہ مل گیا۔ دروازہ کچن میں موجود فریج کے پیچھے تھا۔ کچھ ہی دیر میں اس کی ہدایات کے مطابق سارے انتظامات ہو چکے تھے۔ لیڈی افسران پہنچ چکی تھیں۔

اُس نے تہ خانے کا دروازہ کھولا۔

وہ خود نجانے کیوں اندر نہیں جانا چاہتا تھا مگر پھر بھی مجبوراً وہ ایک لیڈی کو ساتھ لے کر وہ نیچے اترتا گیا۔ لیڈی ڈرتے ڈرتے اس کے ساتھ اندر گئی۔ اندر پہنچتے ہی نوجوان نے یکدم منہ پیچھے موڑ لیا۔۔ اس کا چہرہ پتھرا گیا تھا۔۔ ساتھ گئی ہوئی لیڈی کا منہ کھل گیا اور وہ اپنی جگہ پہ جم گئی۔

تہ خانہ کھلے دل سے انسانیت کی منافقت پہ ہنس رہا تھا۔۔ وہ تہ خانہ یہ ثابت کر رہا تھا کہ ابھی تک لڑکیاں زندہ در گور ہوتی ہیں۔۔ وہ ثابت کرتا تھا کہ نام، وقت اور مذہب کی تبدیلی کے باوجود انسان کے اندر کا جانور۔۔ نفسِ انسانی آج بھی پوری قوت سے اپنے کام میں لگا ہوا ہے۔ وہ منظر اس راز کا مظہر تھا کہ بھیڑیے، انسان کی کھال پہن کر جنگلوں سے نکل کر، نام نہاد مہذب دنیا کے باسی بن چکے ہیں اور وہ ماضی کے افسانوی کردار۔۔۔ ڈریکولا کی نسل میں سے ہیں۔۔ یہ شاید وہ جرثومے تھے جن کے بارے میں مغربی سائنسدان کہتے ہیں کہ وہ از خود وجود میں آ گئے اور پھر خود ہی اپنی نسل بڑھاتے گئے۔۔ کیونکہ ماں کی کوکھ سے جنم لینے والوں سے یہ امید نہیں کی جا سکتی تھی۔۔ مگر سامنے موجود حقیقت کو بھی نہیں جھٹلایا جا سکتا تھا۔ ماں کی کوکھ سے جنم لینے والے ہی اس درجے تک گر چکے تھے۔

نچلے تہ خانے میں لیڈی افسر کی آنکھوں کے سامنے برائے نام
لباس میں
قطار در قطار مخلوق دیواروں سے بندھی ہوئی تھی جن کے سامنے جانوروں کی طرح کھانے کے برتن پڑے تھے جو باس مار رہے تھے۔ دو ، دو دیواروں سے مخالف اصناف کی مخلوق موجود تھی جن کے سر جھکے ہوئے تھے۔ قدموں کی آہٹ سن کر بھی ان کے سر اٹھے نہیں تھے۔۔ان میں سر اٹھانے کی جرات کی کمی تھی یا پھر کسی قسم کی حیاء کی زیادتی۔۔جو سر اٹھانے سے باز رکھے ہوئے تھی۔۔یا پھر وہ مر چکے تھے۔

"ان کی تعداد گن کر باہر آجاؤ۔۔ مگر کسی سے ذکر مت کرنا کہ تم نے کیا منظر دیکھا ہے۔" نوجوان نے کہا اور سیڑھیاں چڑھتے ہوئے وہاں سے غائب ہو گیا۔

کچھ ہی دیر بعد وہ لیڈی اوپر واپس آئی تو اس کے چہرے کا رنگ اڑا ہوا تھا۔ اس کے ہونٹ خشک تھے، وہ شاید بولنا چاہتی تھی لیکن اس کے گلے سے آواز نہیں نکل رہی تھی۔

"کتنی تعداد ہے، اندازے سے بتا دو۔" اس نوجوان نے لیڈی سے پوچھا۔

"سو سے ڈیڑھ سو۔۔ مجھ میں ٹھیک طرح سے گننے کی سکت نہیں رہی تھی۔۔" اس نے دھیمے لہجے میں کہا اور ساتھ ہی اس کی آنکھوں سے پانی کے جھرنے بہنے لگے۔ وہ دیوار کا سہارا لے کر ایک طرف موجود صوفے پہ جا کر ڈھیر ہو گئی اور دونوں ہاتھوں میں چہرے چھپا لیا۔۔ ساتھ ہی اس کی ہچکیوں کی آواز کمرے میں ابھری۔۔ باقی سب اُن دونوں کو حیرت سے دیکھ رہی تھے کہ وہ کس بارے میں بات کر رہے تھے۔۔ اور لیڈی رو کیوں رہی ہے۔

"اس معاملے پہ پردہ رکھنا آپ کی اخلاقی ذمہ داری ہے۔ لیکن واپسی پہ جب تک میں نہ کہوں آپ میں سے کوئی بھی اس عمارت سے باہر نہیں نکلے گا۔" اُس نے سب کو اندر جانے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ اور وہ سب ایک ایک کر کے اندر اترتی گئیں۔

"تین بڑی بسیں منگوائیں شہر سے جلدی۔" نوجوان نے ظفر سے کہا اور اس کی حیرت کو نظر انداز کرتے ہوئے سیل فون پہ کال ملاتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

ظفر کو اتنا ہی بتایا گیا تھا کہ فلاں جگہ رِیڈ ڈالنی ہے، جب اس نے پوچھا کہ کس چیز کے لئے رِیڈ ڈالنی ہے تو افسران اسے ٹال گئے۔ ان سب میں صرف وہ نوجوان ہی جانتا تھا کہ وہ رِیڈ کیوں ڈال رہے ہیں۔۔

☆

اُن تینوں کو گزشتہ رات سے ہی ہوش آچکا تھا۔ جب سے اُنہیں یہ معلوم ہوا تھا کہ وہ روشن گڑھ کی بجائے کیپٹل سٹی ہیں وہ بہت حیران ہوئے تھے۔ اب ان کی حالت کافی سنبھلی ہوئی تھی۔ تینوں کو ایک ہی روم میں رکھا گیا تھا۔ وہ آپس میں باتیں کر رہے تھے کہ کمرے کا دروازہ کھلا اور ایک نوجوان اندر داخل ہوا۔

"لگتا ہے جب تک تم لوگ بیرونِ ملک علاج کا خرچہ نہیں کرواؤ گے، تم لوگ اٹھو گے نہیں۔ " اس نوجوان نے ، جو کہ ساحر تھا، مسکراتے ہوئے کہا۔

"تم کدھر غائب تھے؟ کب سے بُور ہو رہے تھے ہم لوگ۔" دوسرے بیڈ پہ موجود نوجوان نے، جو کہ جبران تھا، کہا۔

"بُور ہو گیا ہے تو نلکا یا موٹر لگوا لو۔۔" اس نے چہکتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب۔۔ میں سمجھا نہیں۔" جبران نے حیرت سے کہا۔

"جاہل ہی رہنا ساری عمر۔ زمین سے پانی نکالنے کے لئے جو ذریعہ اپناتے ہیں اُسے بور کہتے ہیں۔ بور بھی حسبِ ضرورت ہوتا ہے اوراس کے اوپر حسبِ ضرورت نلکا، پمپ یا زرعی زمینوں کے لئے ٹیوب ویل لگتے ہیں۔ "ساحر نے منہ بناتے ہوئے کہا۔ وہ تینوں میک اپ میں تھے۔

"وہ والا بور نہیں۔ ہم دوسرے بور کی بات کر رہے ہیں۔ "کبیر نے ہنسا۔

"دوسرا بور۔۔ تو زمین میں پانی واپس ڈالنے کے لئے بھی بور استعمال ہوتا ہے؟ "ساحر نے چونکتے ہوئے پوچھا تو سب کی ہنسی نکل گئی۔

"ان کا تعارف تو کرا دو یا دانت ہی دکھانے ہیں مجھے۔ " ساحر نے تیسرے شخص کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"یہ جنید صاحب ہیں۔ انہوں نے ہمارا ساتھ دینے کی کوشش۔۔ بلکہ جرات کی تھی۔ "کبیر نے جواب دیا۔

"ہاں۔ وہ تو نظر آ رہا ہے۔ ساتھ کی برکت کی وجہ سے تو آرام دہ بستر پہ موجود ہیں۔ "ساحر نے کہا تو سب مسکرا دیئے۔

"جنید صاحب۔ یہ پاشا ہے۔۔ ہمارا دوست بھی ہے اور بلاوجہ ہمارا لیڈر بھی بن جاتا ہے۔" جبران نے جان بوجھ کر منہ بناتے ہوئے کہا۔ وہ جنید کی وجہ سے ہی میک اپ تھے اور نام بھی ڈمی استعمال کر رہے تھے۔

"بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔ اِن دونوں صاحبان سے آپ کے بارے میں بہت کچھ سُنا ہے۔ ان کی باتوں سے تو لگا تھا کہ آپ بڑی عمر کے ہیں لیکن آپ تو مجھ

سے بھی چھوٹے ہیں۔" جنید نے کہا۔

"آپ مجھے چھوٹا کہہ کر اپنی عمر کم کرنے کی کوشش نہ کریں۔" ساحر نے مسکرا کر کہا تو جنید اس کی بات سمجھ کر ہنس پڑا۔ اگر وہ ساحر کو بڑی عمر کا مانتا تو پھر اس کی عمر بھی زیادہ لگتی کیوں کہ وہ اُن تینوں سے عمر میں بڑا تھا۔

"مشن کا کیا بنا؟" جبران نے پوچھا۔

"وہ بتاتا ہوں۔ ابھی تو تمہاری خیریت پوچھنے مہمان آنے والے ہیں۔" ساحر نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔

"پاپا نے آنا ہے؟" کبیر نے پوچھا۔

"ہاں۔۔ان کے بِنا یہ مشن پورا تو ہو جاتا لیکن وقت بہت لگتا۔" ساحر نے کہا اور اس سے پہلے کہ کوئی کچھ بولتا۔ کمرے کا دروازہ کھلا اور ایک بارعب شخصیت اندر داخل ہوئی۔ انکی آنکھوں میں تیز چمک تھی اور شکل و صورت کیبر سے ملتی تھی۔ یہ ریٹائرڈ کرنل وجاہت خان تھے۔ ان کے اندر داخل ہوتے ہی ساحر کھڑا ہو گیا۔

"بیٹھ جاؤ بیٹا۔۔جیتے رہو۔" کرنل صاحب نے کہا۔

"کیسے ہو تم لوگ؟" انہوں نے سب کی طرف مڑتے ہوئے پوچھا۔ وہ اب صوفے پہ بیٹھ چکے تھے۔

"بلکل ٹھیک ہیں۔" دونوں نے جواب دیا۔

"تم لوگ اچھا کام کر رہے تھے۔ مجھے بھی شامل کر لینا چاہیۓ تھا۔ لیکن جو ہوا اچھا

ہوا۔ مسٹر جنید۔۔خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔۔اور یہ جان کر کہ آپ نے لڑکوں کی بہت مدد کی۔" کرنل صاحب نے پہلے اُن سے اور پھر جنید سے مخاطب ہو کر کہا۔

"یہ میری خوش قسمتی ہے سر کہ میں ملک کے کام آ سکا۔ اور یہ بھی کہ ان لوگوں کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا۔" جنید نے احترام بھرے لہجے میں کہا۔

"آپ لوگوں کی حالت کے پیشِ نظر کیس کی تفصیلات کے لئے میٹنگ ہم نے اس روم میں رکھ لی ہے۔ میں چاہوں گا کہ جو چیزیں مجھے نہیں معلوم وہ آپ لوگ بتائیں۔ کیونکہ اس کیس میں جو لوگ سامنے آئے ہیں ان پہ چارج لگانے کے لئے ہر ایک بات کا علم ہونا ضروری ہے ورنہ ساری محنت بیکار جائے گی۔" کرنل صاحب نے باوقار انداز میں کہا۔

"یس انکل۔ میں روشن گڑھ ایک ذاتی کام سے گیا تھا رستے میں میں نے ایک بزرگ، کرم داد کو پیدل چلتے ہوئے دیکھا۔ وہ تھوڑا چل کر پھر سانس لے کر پھر چلنے لگ جاتے تھے۔ میں نے رک کر انہیں گاڑی میں بٹھایا۔ ان کی زبانی ان کی بیٹی عصمت کی گمشدگی کی کہانی پتہ چلنے پہ میں انہیں اپنے ساتھ پاشا (ساحر) سے ملانے لے آیا۔ انہوں نے اس کو اپنی آپ بیتی سنائی۔ اس کے بعد میں انہیں واپس چھوڑ آیا۔" جبران نے بات شروع کرتے ہوئے کہا۔

"جس تھانے میں انہوں نے عصمت کی گمشدگی کی رپورٹ لکھوائی تھی میں نے وہاں سے تفتیش کا آغاز کیا۔ وہاں سے مایوس ہو کر میں واپس جا رہا تھا کہ مجھے ارشد کا خیال آیا۔ ارشد وہ پولیس افسر تھا جو کرم داد کے ساتھ بہت نرمی سے پیش آتا تھا۔ میں اس سے ملا۔ اس سے مجھے معلوم ہوا کہ نوجوان لڑکیوں اور لڑکوں کی گمشدگی کے کیس تو گزشتہ کافی عرصے سے چل رہے تھے۔ مزید معلومات کے لئے ارشد سے ہی مجھے جنید کا پتہ چلا۔

جنید سے سب سے پہلے مجھے عصمت کی لوکیشن کا پتہ چلا تو میں نے وہ پاشا کو بتا دی۔ جنید کے بقول اسی شہر کی ہوٹل چین کا مالک، جو کہ ایک ماہر قاتل بھی تھا، اس کام میں ملوث تھا۔ یہ لوگ مختلف جگہوں سے نوجوانوں کو اغوا کرتے تھے۔ پھر لڑکیوں کو یہ بیرونِ ممالک گھٹیا کلبوں میں ویٹرس اور دیگر گھٹیا ترین کاروبار کے لئے بیچتے تھے۔ ان لڑکوں اور لڑکیوں کو بلیک میل کر کے انہیں گھٹیا فلموں میں استعمال کیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ عام شکل وصورت والی لڑکیاں اور لڑکوں کو چنتے جو صحت کے اعتبار سے بہت فِٹ ہوتے تھے۔ ان کو اعضاء بیچنے کے لئے اٹھا

لیتے تھے۔ شروع میں انہوں نے اغواء کی وارداتیں کیں تو ہر طرف کھلبلی مچ گئی۔ اس سے بچنے کے لئے انہوں نے نیا رستہ نکالا۔

مجرموں کو معلوم تھا کہ اس دور میں ہر کوئی اپنے بچوں کے لئے اچھے رشتے کی تلاش میں ہے۔ ان لوگوں نے کچھ ایسے مجرم ذہنیت لوگوں کو ہائر کیا جو اچھے ہونے کا ڈھونگ کر کے لڑکی یا لڑکے کا رشتہ لیتے۔ جہیز وغیرہ لینے سے انکار کر دیتے۔ جس پہ غریب لوگ بہت خوش ہوتے اور بِنا کوئی جانچ پڑتال کئے رشتے کے لئے ہاں کر دیتے۔ شادی ہونے کے بعد سسرال سے مختلف مسائل کا شکار ہو کر لڑکیاں اور لڑکے جھگڑا کر کے الگ ہو جاتے۔ اسی جھگڑے کی بِنا پر متاثرہ لڑکی یا لڑکے کو اغوا کر لیا جاتا تھا۔ دیکھنے والوں کو یہی لگتا کے یہ آپسی معاملہ ہے یا متاثرہ لڑکی یا لڑکا کسی اور کے ساتھ گھر سے بھاگ گیا ہے، پولیس بھی اسی رُخ پہ تفتیش کرتی رہتی اور ایک دن کیس بند ہو جاتا۔ جنید سے یہ سب سن کر میرا دماغ سُن ہو گیا۔ میں پریشان ذہن کے ساتھ گاڑی کی طرف چل پڑا۔۔ اور اسی حالت کی وجہ سے مجھے گاڑی میں کسی کے ہونے کا شک نہیں پڑا اور میں جنید سے ملنے کے بعد اغواء ہو گیا۔ اغواء کرنے والوں کو ٹھکانے لگا کر میں سٹی ہوٹل کے جابر تک پہنچا۔" کبیر نے

رپورٹ دیتے ہوئے کہا۔ اس نے واجد کی قید سے نکلنے والی جدوجہد کا بتایا اور یہ بھی بتایا کہ وہاں سے نکل کر وہ کیسے جابر تک پہنچا اور جابر نے اسے کیسے ٹریپ کیا۔

"انکل۔۔ کرم داد سے تفصیل سننے کے بعد میرے خیال سے یہ اتنا بڑا کیس نہیں تھا کہ آپ کو اس میں شامل کرتے۔ میں نے سوچا کہ فارغ رہنے سے بہتر ہے کسی کے کام آ جائیں۔ اسی خیال سے ہم نے اس کیس پہ کام شروع کیا۔ کبیر نے جنید سے جو لوکیشن ہمیں بتائی وہاں ایک عصمت ہی نہیں۔۔ پچاس اور اغواشدہ لڑکیاں بازیاب ہوئیں۔ وہ منظر مجھے آج بھی نہیں بھولتا جیسے جانوروں کی طرح سب کو باندھا گیا تھا۔ لڑکیوں کے وجود پہ لباس نام کی تو شے تھی کوئی نہیں۔ ان کے سامنے جو کھانا تھا وہ کئی دنوں کا باسی تھا اور ہر طرف بدبو ہی بدبو تھی۔ لڑکیوں کی حالت سے لگتا تھا جیسے کوئی بھکاری نشے میں ہو۔ ہال میں ہر طرف گھٹیا پوسٹرز بھی لگے ہوئے تھے۔ انہیں شاید نفسیاتی طور پہ توڑنے کے لئے ایسی حالت میں رکھا گیا تھا۔ فیروز (جبران) اور میں ان کو لے کر شہر پہنچے اور ہم نے آپ سے رابطہ کیا اور ان لڑکیوں کو آپ کی ذمہ داری پہ چھوڑ کر عصمت کو اس کے گھر چھوڑا۔ اس کے بعد ہم

عصمت کے شوہر الیاس کے گھر گئے، وہاں تلاشی کے دوران مجھے انجکشن کی شیشی کا ایک ٹکڑا ملا۔ اس کا تجزیہ کرانے پہ پتہ چلا کے اس میں ایسا زہر ہے جس کا شکار کچھ ہی دیر میں مر جاتا ہے اور مرنے کی وجہ بھی ہارٹ اٹیک ہی سامنے آتی ہے۔ میں الیاس کو کریدنا چاہتا تھا کیونکہ اس معاملے میں مجھے وہ مشکوک لگا، لیکن یہ رستہ بھی بند ہو چکا تھا۔ اسے جابر نے قتل کیا تھا۔ میں الیاس کے کام کرنے کی جگہ بھی گیا لیکن وہاں سے کچھ بھی معلوم نہ ہو سکا۔ فیروز (جبران) اس وقت اکبر (کبیر) کو ڈھونڈ رہا تھا۔ یہ مسلسل غائب تھا۔ فیروز پہلے ارشد صاحب اور پھر جنید تک پہنچ گیا۔ جنید سے ہمیں پتہ چلا کہ اکبر (کبیر) جابر کے پیچھے گیا ہے۔۔ اس کلیو پہ کام کرتے ہوئے میں جابر کے ہوٹل جا پہنچا۔ اس نے مجھے قابو کرنے کی کوشش کی لیکن میں تیار تھا اس وجہ سے الٹا وہ میرے قابو میں آگیا۔ اسی کی قید میں مجھے اکبر (کبیر) مل گیا جس کی زبانی مجھے ساری تفصیل معلوم ہوئی اور جابر پہ تشدد کرکے ہم نے اس کہانی کا اہم کردار حاکم رانا کو پتہ چلا۔

حاکم رانا عزت نگر کا بہت اہم شخص تھا۔ ہم اسے اس کی رہائش گاہ سے اٹھا کر شکار گڑھ لے آئے اور اس سے مجھے پتہ چلا کہ وہ بھی

ایک مہرہ ہے۔ اصل لوگ تو روشن گڑھ میں ہی ہیں۔ اس کے کمپیوٹر میں موجود اور زبانی معلومات سے ایک نیا کردار گولڈ مین اور اس کے دو پارٹنرز سامنے آئے۔ گولڈ مین کو ڈھونڈنے کا ایک ہی رستہ تھا، گولڈن کلب۔ حاکم رانا کو مارنے کے بعد ہم دوبارہ روشن گڑھ پہنچے اکبر (کبیر اور فیروز (جبران) گولڈن ہوٹل کے مینجر اکبر اور اس کے اسسٹنٹ راجو کی تلاش میں نکلے۔" ساحر نے تفصیل بتائی۔ اس نے جابر کے فارم ہاؤس پہ حملے اور حاکم کو اس کی حویلی سے اٹھانے کی روداد سنائی۔

"شہر میں واپس پہنچنے پہ ہم نے کوشش کی کہ مینجر اکبر یا راجو کی رہائش گاہ کو کسی طرح ٹریس کر لیں اور ڈرائریکٹ سامنے بھی نہ آئیں۔۔ لیکن یہ پوائنٹ کام نہیں آیا تو ہم براہِ راست اکبر تک پہنچ گئے۔۔ جس کی وجہ سے مرتے مرتے بچے۔ اکبر کے تشدد سے ہم جسم جھلسے ہوئے تھے اور تکلیف کے مارے چلنا بھی دشوار تھا مگر ہم نے فیصلہ کیا کہ اکبر یا راجو کو ڈھونڈ کر ہی دم لیں گے اور ساحر سے پہلے یہ نیک کام کریں گے۔ اس وجہ سے ہم ساحر کی ایماء پہ ملنے والی میڈیکل سروس سے آنکھیں بچا کر نکل گئے اور سیدھے جنید سے معلومات لینے پہنچے۔ وہاں سے ہمیں مینجر اکبر کی رہائش گاہ کی مکمل تفصیل پتہ چل گئی۔ جنید صاحب تو ہمیں

لوکیشن تک لے جانے کے لئے ساتھ بیٹھے تھے۔ لیکن ہم رستے میں ہی حادثے کا شکار ہو گئے۔ اور یہاں آنکھ کھلی۔۔" جبران نے کہا۔

"ان لوگوں کے نکلتے ہی میں بھی راجو اور مینجر اکبر کو ڈھونڈنے نکل گیا۔ پہلے میں تھانے میں ارشد سے ٹکرایا جس کے بارے میں اکبر نے بتایا ہے۔ اس سے کچھ معلومات لینے کے بعد میرے ذہن میں پلان آیا کہ میں گولڈن کلب کے کسی دشمن کو ساتھ ملا لوں تو کام آسان ہو جائے گا۔ اس لئے میں آصف مرزا سے ملا۔ وہیں سے مجھے خبر ملی کے یہ دونوں گولڈن کلب کے اکبر کے ہتھے چڑھ گئے ہیں جو انہیں تلنے کا پلان بنا چکا ہے۔۔ میں وہاں پہنچا۔۔ تب تک کافی دیر ہو چکی تھی۔۔ یہ دونوں جسم جھلسائے پڑے تھے۔۔ قریب تھا کہ اکبر انہیں مار ہی دیتا کہ میں وہاں پہنچا۔ میں نے انہیں ایک قابلِ اعتماد آدمی کے سپرد کیا جہاں سے یہ بعد میں فرار ہو کر ایکسیڈنٹ کا شکار ہوئے۔۔ انہیں اٹھانے کے ساتھ ساتھ مجھے اکبر بھی مل گیا۔ اسے سے گولڈ مین کے بارے میں یہی معلوم ہوا کہ راجو ہی گولڈ مین ہے۔۔ مگر یہ بھی ایک جھانسا تھا۔ اکبر سے تفتیش کے دوران مجھے ان دونوں کی زخمی حالت میں بھاگ نکلنے کی اطلاع ملی تو میں انہیں ڈھونڈنے دوڑ پڑا۔ تبھی رستے میں میری نظر

ایک شخص پہ پڑی جو راجو جیسی شکل کا مالک تھا۔ میں نے اس کا پیچھا کرنے کی بجائے اس کوٹھی کو چیک کرنے کا فیصلہ کیا جس سے وہ نکل کر گیا تھا۔ اسی کوٹھی میں چیکنگ کرتے ہوئے آپ کی کال آئی کے اکبر اور فیرز دونوں حادثے کا شکار ہو گئے ہیں۔ آپ کے ذہن میں تھا کہ شاید ہم تینوں ہٹ ہو گئے ہیں۔ آپ کی کال کے بعد میں وہیں اس کوٹھی میں چھپا رہا کیونکہ میں نے ان دونوں کا خیال رکھنے کے لئے اپنے آدمی روانہ کر دیئے تھے۔ راجو واپس آیا تو میں نے اس چھاپ لیا۔ اسی کے تشدد کے سامان کو استعمال کر کے ایک نیا طریقہ نکالا راجو سے مجھے ڈائریکٹ گولڈ مین کی ٹِپ ملی۔

اصل گلولڈ مین تھا اُس شہر کا ایک مایہ ناز سیاستدان ایوب بختاور۔ آپ کی مدد سے ہم نے ایوب کے گھر کا چیکنگ وارنٹ لیا اور اس کے گھر کامیاب چھاپہ مارا اور ایوب بختاور سمیت ہم نے اس سارے گروپ کو پکڑ لیا ہے۔ ایوب بختاور کے گھر کے ڈبل تہ خانے سے تقریباً ڈیڑھ سو کے قریب لڑکیاں اور لڑکے بر آمد ہوئی ہیں۔" ساحر نے تفصیل بتائی جس طرح اس نے ظفر کے ساتھ مل کر ایوب بختاور کے گھر چھاپہ مارا تھا۔

اس دوران، اس کیس کا ایک اور اہم کردار، پولیس افسر گلریز سامنے آیا۔ اسے میں نے ٹریپ کیا اور اپنے خفیہ ٹھکانے پہ لے جا کر اس سے بہت سے قابلِ قدر معلومات حاصل کر لی ہیں۔" ساحر نے نے بات ختم کی۔

"یہ تم لوگوں کا خیال تھا کہ مجھے بتائے بغیر تم لوگ مشن پورا کر لو گے اگر سامنے نہ آتا تو تم ہسپتال کے کسی عام وارڈ میں پڑے رہتے جو خطرناک ہوتا۔ ایوب بختاور سے ہمیں اس کا مختلف شہروں میں موجود نیٹ ورک پتہ چل چکا ہے اور اب تک ہم چھ سو سے زائد لڑکے اور لڑکیاں بازیاب کرا چکے ہیں۔ ایوب کا تیسرا پارٹنر بھی گرفتار ہو چکا ہے۔ وہ ایک ڈاکٹر تھا۔ دونوں کی جان خلاصی ناممکن ہے۔ تمہارے اس کام کو حکومتی سطح پہ بہت پسند کیا گیا ہے۔" کرنل صاحب نے کہا۔

ان کی بات سُن کر سب کے چہرے خوشی سے تمتما اُٹھے۔

کرنل صاحب اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان کے اٹھتے ہی ساحر بھی کھڑا ہو گیا۔ وہ سب کو خدا حافظ کہتے ہوئے باہر نکل گئے۔

"وہ پولیس افسر کہاں ہے؟" جبران نے مسکراتے ہوئے ساحر سے پوچھا۔

"ہو گا کہیں انجوائے کر رہا۔۔۔۔۔" ساحر نے نفرت بھرے لہجے میں کہا۔

"کیا سلوک کیا تم نے اس کے ساتھ؟" کبیر نے ہونٹ چباتے ہوئے پوچھا۔۔ اس کی بات سن کر باقی دونوں حیرت سے ساحر اور کبیر کی طرف دیکھنے لگے۔

"اس کی دونوں آنکھیں نکال کر۔۔ دونوں ٹانگیں توڑ کر سڑک پہ پھینک دیا۔ اس کا یہی علاج ہے۔۔ کفارہ ادا کرے اب۔۔" ساحر نے سرد لہجے میں کہا اور باہر نکل گیا۔۔ پیچھے ان تینوں کے رنگ متغیر ہو گئے۔

"اس حرکت کا کیا مطلب ہوا؟" جبران نے الجھے ہوئے لہجے میں کہا۔

"میرا خیال ہے کہ یہ کیس ابھی ختم نہیں ہوا۔۔ پاشا کی ذہنی رو بدلی ہوئی ہے۔۔ اس کے پاس ضرور ایسی کچھ معلومات ہیں جو وہ چھپا گیا ہے۔" کبیر نے کہا تو جبران نے عجیب نظروں سے اس کی طرف دیکھا جبکہ جنید بھی الجھا ہوا تھا۔

"ایسے مت دیکھو۔۔۔ یہ صرف میرا اندازہ ہے۔" کبیر نے کہا۔ تو جبران نے رخ موڑ لیا۔۔

کمرے سے نکلتے ہی وہ تیزی سے ہسپتال کی عمارت سے نکل۔۔ سامنے کرنل وجاہت خان اپنی کار تک پہنچ چکے تھے۔۔ وہ تقریباً دوڑتا ہوا ان کے پاس پہنچا۔

"انکل۔۔۔ آپ نے میرا آئیڈیا شئیر کیا کسی افسر سے؟" ساحر نے کرنل صاحب سے پوچھا۔

"ہاں بیٹا۔۔ کرنل بیگ سے میری بات ہوئی ہے۔۔ مگر ابھی ہمیں انتظار کرنا پڑے گا۔۔ اتنی جلدی تو سب کچھ نہیں ہو سکتا۔۔ مگر مجھے یقین ہے کہ ہم ٹیم بنا ہی لیں گے۔۔" انہوں نے شفقت بھرے لہجے میں کہا۔

"امید تو یہی ہے۔۔" ساحر نے مسکرا کر کہا۔

میرے خیال سے تمہاری چھٹی بھی ختم ہونے والی ہے؟" کرنل صاحب نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"یس انکل۔۔ مگر اتنے دن تو ہیں کہ بندہ بیرونِ ملک تفریح کر آئے۔" ساحر نے

جواب دیا۔

"تینوں جاؤ گے؟" کرنل صاحب نے چونک کر پوچھا۔۔ ان کے چونکنے میں کچھ عجیب بات تھی۔۔ جیسے وہ ساحر کو کرید رہے ہوں۔

"نہیں۔۔ کبیر خان تو اپنی ڈیوٹی پہ ہوں گے۔۔ پہلے ہی کافی چھٹیاں کر چکا ہے۔۔ میں اور جبران جائیں گے۔۔ کچھ دن کی سیر اور پھر واپسی۔" ساحر نے ہنس کر جواب دیا اور کرنل اسے دعا دیتے ہوئے گاڑی میں بیٹھے۔ ساحر سلام کر کے پیچھے ہٹ گیا۔

"چلو ڈرائیور۔۔" انہوں نے بارعب انداز میں حکم صادر کیا تو گاڑی رینگتی ہوئی آگے بڑھی۔ گاڑی آہستہ آہستہ ساحر سے دور ہوتی گئی۔

"ٹیم ابھی کچی ہے۔۔۔۔۔۔" ڈرائیور کی نرم آواز سنائی دی۔۔ مگر اس کی آواز میں عجیب سے رعب اور سرد پن تھا۔۔ اس کے انداز سے بلکل نہیں لگ رہا تھا کہ وہ کرنل وجاہت خان کا ڈرائیور یا ملازم ہے۔

"پھر؟؟؟؟؟؟؟؟؟" کرنل صاحب نے چونک کر پوچھا۔۔ ان کے انداز میں سے رکھ رکھاؤ اور رعب ختم ہو چکا تھا۔

"وَیل۔۔۔ میں سنبھال لوں گا۔۔۔" ڈرائیور نے سرد لہجے میں کہا اور گاڑی میں خاموشی چھا گئی۔

* * *

گلی کے موڑ اور چوک۔۔ اکثر نوجوان نسل سے بھرے پڑے رہتے ہیں۔ نوجوان اکثر دردِ انسانیت کی خاطر چوکوں میں کھڑے ہو کر سیٹیاں مارتے اور آوازیں کستے رہتے ہیں کہ شاید کسی ذی روح کو ان کی مدد درکار ہو اور وہ نیکی کا کام کر سکیں۔۔ ان نوجوانوں کے والدین گھروں میں دبکے TV وغیرہ پہ مذہبی و اصلاحی پروگرام دیکھنے میں لگے

رہتے ہیں تا کہ اولاد کی تربیت میں کوئی کمی نہیں رہ جائے۔ اسی کوشش میں وہ اپنی اولاد کا ساتھ نہیں دے پاتے تھے ورنہ اجتماعی ثواب کے انبار لگ جاتے۔ اس کے علاوہ گلیوں میں ایک اور کیچڑ بھی موجود ہوتی ہے۔ اس وقت بھی گلی کی نالیوں کا پیٹ بھر چکا تھا اور اب وہ خیرات کرتے ہوئے پیاسی گلیوں کو سیر اب کر رہی تھیں۔۔ گلیوں کی درمیانی جگہ اونچی ہونے کے سبب ابھی تک نالیوں کی سخاوت سے بہرہ مند نہیں ہو پائی تھی۔ وہ اونچی جگہ شاید پیاسی ہی رہ جاتی مگر قدرت بہت مہربان تھی۔۔ وہ کسی نہ کسی اشرف مخلوق کے ٹھیکیدار کو بھیج ہی دیتی جو محض گلی کی پیاس بجھانے کی خاطر اپنی موٹر سائیکل یا کار کی رفتار بڑھا کر گزرتا تا کہ گلی۔۔۔ گلی میں سے گزرنے والوں کا لباس اور خود پیدل چلنے والے لوگ بھی۔۔ پیاسے نہ رہ جائیں۔

پیدل حضرات گلی کی حالت زار پہ بڑبڑ کرتے، پائنچے اوپر کرتے ہوئے ، سرکس کے جوکر کی طرح چلتے ہوئے گزر جاتے جیسے رسے پہ چل رہے ہوں۔ اس بڑبڑ کے ساتھ وہ اپنی دروازے پہ پہنچتے جہاں پہ دروازے کی دہلیز سے گلی کے وسط تک لکڑی کا ایک پھٹہ رکھا

ہوتا اور وہ شخص گردن اکڑائے اس فخر سے پھٹے سے گزرتا جیسے دریائے محبت کے پل سے گزر رہا ہو۔

ایسی ہی ایک گلی میں کرم داد اپنی روایتی چال میں گھر کی طرف رواں دواں تھا۔ اس کے پیچھے گاڑی کے رکنے کی آواز آئی مگر وہ رکا نہیں جیسے ہی وہ موڑ مڑا، موڑ پہ کھڑے پاکیزہ تربیت کے حامل لڑکوں نے کرم داد پہ جملہ کسا۔

"بیٹی پھر کب بھاگے گی۔۔ ہمیں بھی تو بتاؤ۔" ساتھ ہی سب کا قہقہہ بلند ہوا۔ کرم داد کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے لیکن وہ جواب دیئے بغیر آگے بڑھ گیا۔

"ہمیں ہی داماد بنالو۔۔" ایک اور آواز آئی اور ساتھ ہی قہقہے بلند ہوئے ۔ لیکن ساتھ ہی ہنسی کو جیسے یکدم بریک لگ گئی ہو اور دھڑام کی آواز سنائی دی۔ کرم داد حیران ہوا اور پیچھے مڑ کر دیکھا تو ان لڑکوں میں سے دو زمین پہ پڑے تھے جن میں سے ایک کے منہ سے خون جاری تھا۔

"ہم پولیس ڈیپارٹمنٹ سے ہیں۔" آئندہ اگر ان کو تنگ کیا تو خاندان سمیت

جیل میں ہو گے تم سب۔ دفع ہو جاؤ سب۔" سامنے کھڑے نوجوان نے کہا۔ وہ اکیلا ہی کھڑا تھا جب کے اس کے پیچھے ایک بڑی سے گاڑی کھڑی تھی۔ وہ نوجوان کرم داد کی طرف بڑھا۔ نوجوان قریب آیا تو کرم داد نے اسے پہچان لیا۔ وہ جبران تھا۔

"کیسے ہیں انکل"؟ جبران نے ان کے سامنے سر جھکاتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہوں بیٹا۔ تم کیسے ہو؟" کرم داد نے اس کے سر پہ ہاتھ رکھتے ہوئے خوشی سے لبریز لہجے میں کہا۔

"بلکل ٹھیک۔ آیئے گاڑی میں بیٹھیں۔ ہم آپ ہی کی طرف آرہے تھے۔" جبران نے گاڑی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ اور کرم داد بڑے مان کے ساتھ گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔ کرم داد نے جب پہلی بار جبران سے ملا تھا تو گاڑی میں نہیں بیٹھنا چاہتا تھا مگر اس بار اس نے گاڑی میں نہ بیٹھنے کی ضد نہ کی تھی۔ وہ اب انہیں شاید اپنا بیٹا مانتا تھا اور ان کی ہر شے پہ حق سمجھتا تھا۔

گاڑی میں ساحر اور کبیر تھے۔ جبران نے کبیر کا تعارف بھی کرایا کیونکہ کبیر کی ان کے ساتھ پہلی ملاقات تھی۔ کچھ دیر بعد وہ کرم داد کے گھر کے سامنے پہنچ چکے تھے۔ کرم داد گاڑی سے اتر کر اندر چلا

گیا۔ جبران اور ساحر نے گاڑی سے کچھ سامان اتارا اور کبیر گاڑی کو سائیڈ پہ کھڑا کرنے کے لئے تھوڑا آگے لے گیا۔ کرم داد نے انہیں اندر آنے کے لئے آواز دی۔

جبران، اس کے پیچھے ساحر اور پھر کبیر اندر داخل ہوا۔ سامنے رحمت کِھلے ہوئے چہرے کے ساتھ کھڑی تھی۔ وہ تینوں سے بہت پیار سے ملی۔ تینوں نے عصمت کے سر پہ ہاتھ رکھا۔ عصمت کافی بدلی ہوئی محسوس ہوئی۔ وہ اب بہت پُر اعتماد لڑکی لگ رہی تھی۔ ساحر نے عصمت کو سامان پکڑایا اور اسے ساتھ کچھ ہدایات دیں۔ وہ سر ہلاتے ہوئے سامان کچن میں لے گئی۔ تھوڑی ہی دیر بعد وہی سامان پلیٹوں میں سب کے سامنے موجود تھا۔

"جو کیس عصمت کے اغواء سے شروع ہوا تھا وہ ہم مکمل حل کر چکے ہیں۔ اب تک تقریباً چھ سو لڑکے اور لڑکیاں مختلف شہروں سے بازیاب کی گئیں ہیں۔ سب کو بہت عزت کے ساتھ ان کے گھر روانہ کیا گیا ہے۔ اسی کی خوشی کی پارٹی ہم آپ کے ساتھ کرنے آئے ہیں۔" جبران نے مسکراتے ہوئے ان سب کو بتایا۔

"کیا۔۔چھ سو۔۔" کرم داد نے حیرت سے کہا جب کے رحمت اور عصمت بھی حیرت سے ساکت ہو گئی تھیں۔

"جی انکل۔۔یہ کام بہت بڑے پیمانے پہ ہو رہا تھا۔" ساحر نے کہا اور ساتھ اس نے مختصر سی تفصیل بتا دی۔

"اللہ تم سب کو ہمیشہ سلامت رکھے۔ تم جیسے بیٹے تو نصیب والوں کو ملتے ہیں۔" رحمت نے دعا دیتے ہوئے کہا۔ کرم داد بھی بہت خوش تھا جیسے اس کے اپنے بیٹے کوئی معرکہ سر کر کے آئے ہوں۔

"بیٹا تم دونوں کے چہروں کو کیا ہوا ہے؟ تم لوگ چل بھی یوں رہے تھے جیسے بہت

بیمار ہو؟۔۔۔" رحمت نے ممتا بھرے انداز میں جبران اور کبیر سے پوچھا۔

"ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا ماں جی۔ دو ہفتے ہسپتال میں رہے ہیں۔" کبیر نے جواب دیا۔

"ہم آپ سب کو ساتھ لے جانے آئے ہیں۔" ساحر نے موضوع بدلتے ہوئے کہا۔

"ساتھ؟۔۔۔کہاں؟" رحمت نے حیرت بھرے لہجے میں پوچھا۔

"بیٹا ہم اپنا گھر چھوڑ کر کدھر جائیں گے؟" کرم داد نے سادہ لہجے میں کہا۔ وہ شاید ساحر کی بات سمجھ گیا تھا۔

"آپ کے لئے ہم کیپٹل سٹی میں گھر لے چکے ہیں۔ اور یہاں کے لوگوں کا آپ کے ساتھ رویہ بھی دیکھ چکے ہیں۔ اگر آپ ہمیں اپنا بیٹا مانتے ہیں تو آپ کو ہماری بات ماننی پڑے گی۔" جبران نے کہا۔

"لیکن بیٹا ہم تم لوگوں پہ بوجھ نہیں بننا چاہتے۔ ہمارے لئے پہلے ہی تم نے بہت کچھ کیا ہے۔" رحمت نے پیار بھرے لہجے میں کہا۔

"ماں جی یہ بیٹوں کا فرض ہوتا ہے۔ آپ ہم پہ بوجھ نہیں بنیں گی۔ عصمت کے لئے ہم نے جاب بھی تلاش کر لی ہے اور حکومت بھی آپ کا خیال رکھے گی۔ اب آپ لوگ فوری تیار ہوں۔ میں ٹرک بلواتا ہوں۔ جو بھی سامان ہے وہ اس میں بھرتے ہیں۔" ساحر نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"لیکن بیٹا۔۔۔" کرم داد نے کہنا شروع کیا۔

"لیکن ویکن کچھ نہیں۔ آپ اچھے بچوں کی طرح اٹھیں شاباش۔۔" ساحر نے انہیں بچوں کی طرح پچکارتے ہوئے کہا تو سب ہنس پڑے۔

کرم داد اور رحمت کی آنکھوں میں یہ بے لوث پیار دیکھ کر آنسو چمک رہے تھے۔

(ختم شد)